واقعہ کربلا پر منفرد کتاب

خاکِ کربلا

اور

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تالیف:
علامہ محمد اقبال قادری

نظرثانی:
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب	.... خاک کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
موضوع	.... واقعہ کربلا
مؤلف	.... علامہ محمد اقبال عطاری
نظر ثانی	.... حضرت مفتی غلام حسن قادری مدظلہ العالی
صفحات	....
کمپوزنگ	.... عبدالسلام، قمرالزمان
اشاعت	.... 2010ء
ناشر	.... محمد اکبر قادری
قیمت	.... -/200 روپے

ترتیب

عرض مؤلف

تاریخ اسلام پر اگر ہم نظر دوڑائیں تو ان گنت ایسی شخصیات ہماری نظروں سے گزریں گی جنہوں نے اپنی جان کا نظرانہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کر کے سرخروئی حاصل کی۔ مثلاً غزوۂ بدر میں، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ تبوک اور دیگر کئی غزوات میں بہت صحابہ کرام علیہم رضوان نے اپنی جانوں کے نظرانوں کو دین اسلام کی سربلندی کے لیے پیش کر دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ ان مذکورہ تمام شہادتوں کو اتنی شہرت حاصل نہ ہوئی۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ خاص وجہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق حضور پُر نور، سید دو عالم، تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس لیے تو ہم کہتے ہیں کہ

اوہدے نانے جیہا کسے دا نئیں نانا
اوہدی ماں جیہی کسے دی ماں وی نئیں
اگے نئیں ہوئی ھن وی نئیں کوئی
اگوں ہون دا کوئی امکان وی نئیں

احادیث صحیحہ اور روایات مصدقہ پر جب غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ قارئین محترم آخر میں میں اپنے تمام معاونین جنہوں نے میری کسی نہ کسی طریقے سے معاونت فرمائی، میری مراد فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی حافظ عابد حسین قادری خطیب جامع مسجد القریش و مدرس

جامعہ نعمانیہ للبنات تاج محل سیالکوٹ' فاضل دوست عالم نبیل مناظرہ اسلام مصنف کتب کثیرہ' حضرت علامہ مولانا شبیر احمد رضوی' خطیب جامع مسجد حنفی بریلوی منڈیر خورد سیالکوٹ' حضرت علامہ مولانا مصنف کتب کثیرہ حافظ تنویر قادری جامعہ حنفیہ غوثیہ بادامی باغ لاہور' حضرت علامہ مولانا علی اصغر نوشاہی خطیب مرکزی جامع مسجد پکی کوٹلی' مولانا عبدالقدیر عطاری' مولانا یٰسین عطاری' مولانا علی رضا قادری' مولانا الفت رضا' مولانا قاری احمد یار عابد شہید مسجد' حضرت مولانا محمد افضل قادری خطیب نورانی مسجد پکی کوٹلی' حیدر علی قادری نعت خوان اور شفیق دوست میاں بشیر عطاری' اویس گھمن' برادر اصغر آصف عطاری پی سی او والے اور جناب خلیل الرحمٰن چندھڑ حبا اور میاں شہزاد صاحب آف اٹلی' افتخار گھمن صاحب اور جناب عالم نبیل حضرت علامہ مولانا مفتی غلام حسن قادری صاحب دارالعلوم حزب الاحناف لاہور' جناب عباس مغل صاحب' جناب بلال گھمن صاحب' چوہدری خالد محمود گھمن صاحب اینٹی کرپشن اور حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ عبدالحمید چشتی صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل اس کتاب کو میرے لیے' میرے اساتذہ اور میرے والدین اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین

فقط
محمد اقبال عطاری
مدرس جامعہ صفیہ عطاریہ للبنات ڈسکہ نزد
قبرستان پکی کوٹلی سیالکوٹ
033-7159620

تقریظ

عالم نبیل، فاضل جلیل، مصنف کتب کثیرہ، حضرت علامہ مولانا حافظ تنویر قادری

ڈائریکٹر: ادارہ قاسم المصنفین آستانہ ڈھوڈا شریف گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام

علی من کان نبیا و ادم بین الماء و الطین ۔ اما بعد:

ازل سے ہی حق و باطل کے درمیان جنگ و جدال کا سلسلہ جاری ہے، جہاں حق اپنی نورانیت کو بکھیرتا ہے وہاں باطل بھی ضرور ڈیرہ جمانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فتح ہمیشہ حق ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ اگرچہ باطل کتنے ہی اسلحہ سے لیس ہو کر میدان میں آ جائے۔ ظاہراً تو میدان بدر میں تقریباً 313 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے پاس جنگی سامان بھی قلیل مقدار میں تھا اور دوسری طرف ایک ہزار سے زائد کفار اسلحہ سے لیس پوری جنگی تیاری کے ساتھ موجود تھے لیکن چشم فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کثیر کے مقابلہ میں قلیل کو فتح عطا کی اور کثیر کے غرور کو پاش پاش کر کے رکھ دیا، وجہ صرف یہ تھی کہ قلیل حق پر تھے۔

ایسا ہی معاملہ میدان کربلا میں پیش آیا۔

ایک طرف تو صرف تقریباً 72 پاک بدن ہیں اور دوسری طرف یزیدیوں کا ہزاروں کی تعداد میں لشکر موجود ہے لیکن اس کے باوجود فتح ان (72) بہتر کو حاصل ہوئی۔ اگرچہ انہوں نے اپنی پاکیزہ جانیں راہِ خدا میں قربان کر دیں۔ تاریخ کے اوراق نے یہ حقیقت رقم کر لی کہ آج ان 72 پاک بدنوں نے باطل جو کہ ہزاروں کی تعداد میں ہے،

اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور اپنی جانوں کو راہ خدا میں قربان کر کے فتح کا علم اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور ان کے مدمقابل جو ہزاروں کا لشکر ہے ظاہری طور پر اس نے ان 72 پاک دامنوں کو شہید کر کے فتح تو حاصل کی ہے لیکن حقیقت میں وہ شکست خوردہ ہیں اور شکست بھی ایسی کہ قیامت تک اسی وجہ سے ان پر لعن طعن کیا جاتا رہے گا اور دوسری طرف حقیقی فتح کا علم تھامنے والے ایسے خوش نصیب ہیں کہ قیامت تک ان کی اس فتح کو یاد کر کے ان کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا رہے گا۔

لیکن بات چلتے چلتے پھر وہیں آ گئی کہ حق کے مقابلہ میں باطل ضرور ہوتا ہے۔ ادھر اہل حق نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے جانثار سپاہیوں (رضوان اللہ علیہم) کو خراج تحسین پیش کرنا شروع کیا' اُدھر باطل (یزیدی گروہ' وہابی' دیوبندی) نے یزید کی حمایت کرتے ہوئے اور اس کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپؓ کے سپاہیوں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر جرح کرنا شروع کر دی' تاریخی عبارت کو الٹ پلٹ کر کے اپنے باطل مؤقف کی تائید میں پیش کرنا شروع کر دیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) ''باغی'' تک کہہ دیا اور اس کے برعکس یزید پلید و لعین کو معاذ اللہ ''رضی اللہ عنہ'' اور ''امیر المؤمنین'' وغیرہ کے القابات دینے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ اس لعین کو پکا جنتی قرار دے دیا۔ (معاذ اللہ)

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس بات پر اہل باطل کی کتب مثلاً ''رشید ابن رشید'' ابو یزید محمد دین بٹ یاد رہے کہ اس بدنام زمانہ کتاب پر اہل باطل کے بیس سے زائد عالم کہلوانے والوں کی تقریظات اور دستخط موجود ہیں۔ ان میں مفتی محمد شفیع دیوبندی' کراچوی' ابو الاعلیٰ مودودی' مولوی اسماعیل سلفی غیر مقلد آف گوجرانوالہ بھی شامل ہیں۔

''خلافت معاویہ و یزید'' از محمود عباس دیوبندی اور ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' از مولوی عطاء اللہ بندیالوی دیوبندی شاہد ہیں۔ ان کتب میں ان بدبختوں نے ایسی

ایسی خرافات لکھی ہیں کہ ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان اس کو پڑھے تو اس کا دل ان بے حیاء مولویوں پر لعن وطعن کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

''بے شک وہ لوگ جو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''

ان حضرات نے اپنی کتب میں یزید کی حوصلہ افزائی کر کے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کر کے یقیناً اہل بیت اطہار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی ہے اور جس کا انجام دوزخ کے علاوہ دنیا اور آخری میں لعنت بھی ہے اور وہ ان کے چہروں پر برستی دکھائی بھی دیتی ہے۔

اوپر ہم نے جن کتب کا تذکرہ کیا ہے ان کے جوابات علماء اہل سنت تقریر وتحریر میں دیتے آرہے ہیں' ان کتب کے رد میں علماء اہل سنت الحمد للہ کی مستقل کتب بھی موجود ہیں اور مؤخر الذکر کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' اس کا انتہائی علمی وتحقیقی رد ہے۔ محقق اہل سنت' فاضل جلیل حضرت علامہ فیض رسول عطاری مدظلہ العالی نے لکھا ہے جو تقریباً پونے نو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور حال ہی میں اکبر بک سیلرز کی طرف سے خوبصورت انداز میں شائع ہوا ہے۔ علامہ صاحب موصوف کی یہ کوشش لائق صد تحسین ہے۔

بات حق و باطل کی چل رہی تھی' اُدھر اہل باطل نے یزید کی حمایت میں لکھنا شروع کیا اور اِدھر اہل حق نے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں لکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس میدان میں اہل حق ہی کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اہل حق کے قلم سے جو بھی کتاب منصفہ شہود پر آتی ہے اسے پذیرائی ملتی ہے لیکن اہل باطل کی جو بھی کتاب طبع ہوتی ہے اس پر لعن وطعن کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔ بالآخر اس کی طباعت پر گورنمنٹ کی طرف سے پابندی عائد ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ یہ بھی اہل حق کے حق

پر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

فاضل جلیل، مصنف کتب کثیرہ، محقق اہل سنت حضرت علامہ محمد اقبال قادری عطاری مدظلہ العالی کا شمار بھی اہل حق جماعت سے ہے۔ مولانا موصوف نے اہل حق کی نمائندگی کرتے ہوئے منفرد انداز میں اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے حالات اور فضائل ومناقب کا گلدستہ سجا کر محبان اہل بیت کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اس کا نام آپ نے ''خاکِ کربلا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ'' تجویز فرمایا ہے۔ ماشاء اللہ بڑا تحقیقی مواد اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مولانا موصوف نے اس کتاب میں تاریخ کو بنایا نہیں بلکہ بیان فرمایا ہے۔ یقیناً مولانا موصوف کی یہ کتاب واقعہ کربلا پر پہلے سے موجود کتب پر کسی حد تک فائق ہوگی۔ میں اس لیے مولانا کی تائید نہیں کر رہا کہ مولانا میرے احباب میں شریک ہیں اور میں آپ کی ہر ایک بات آنکھیں بند کر کے مان لیتا ہوں، نہیں ہرگز نہیں بلکہ مولانا موصوف کا اندازِ تحقیق وتحریر اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ میں حضرت کو داد وتحسین پیش کروں۔

مولانا موصوف میدان تحریر کے شہسوار ہیں۔ اب تک آپ کی تقریباً 20 کے قریب کتب منظر عام پر آچکی ہیں اور تمام کتب میں تحقیق کا عنصر غالب ہے۔ میں مولانا کی میدانِ تحریر میں ان کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ مولانا کی تمام مساعی جیدکو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وسلم

تقریظ

فاضل جلیل عالم نبیل مناظر اسلام فضیلۃ الشیخ، مصنف کتب کثیرہ

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد رضوی

خطیب: جامع مسجد حنفی بریلوی سیلانیہ منڈیر خورد متصل ساھووالا اڈا سیالکوٹ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت علامہ مولانا محمد اقبال عطاری صاحب کی ہر تالیف قابل تعریف ہے کیونکہ میری نظر میں آپ عالم باعمل ہیں اور عالم کی ہر تحریر ہی علمی ہوتی ہے۔ علامہ صاحب کی یہ کتاب جو شان اہل بیت کے حوالے سے ہے یقیناً یہ موضوع دوسرے موضوعات سے منفرد ہے کیونکہ اہل بیت وہ شان والے ہیں جن کی شان خالق کائنات اور اُس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور جو وہی شان جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے اس کو صحیح معنوں میں بیان کردے وہی کتاب لاجواب ہوتی ہے اور یہی کام میرے دیرینہ دوست علامہ مولانا محمد اقبال عطاری صاحب نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے دوست حضرت علامہ صاحب کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ یہ مزید صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان کی شان تحریر کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ میری تمام خطاؤں کو معاف فرما کر عمر نیک کاموں میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور قبر و حشر کی منازل کو آسان فرمائے اور علامہ صاحب کی اس کتاب کو قبول فرماتے ہوئے ہر عام و خاص کے لیے نافع بنائے۔

تقریظ

عالم نبیل، فاضل جلیل، محبوب العلماء

حضرت علامہ مولانا مفتی حافظ عابد حسین قادری مدرس جامعہ نعمانیہ للبنات سیالکوٹ

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیل

حضور نبی اکرم، شفیع محترم، رحمت دو جہاں، شفیع عاصیاں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائے ابھی پچاس برس ہی گزرے تھے کہ 61 ہجری میں عراق کے شہر کوفہ سے کچھ فاصلہ پر کربلا کے مقام پر لشکر یزید نے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جگر گوشۂ بتول، راکب دوشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسافرت کی حالت میں ان کے اہل اور رفقاء سمیت تیغ جفا سے شہید کر دیا۔

تاریخ اسلام میں یہ دوسری مظلومانہ شہادت تھی۔ اس سے قبل مسلمان کہلانے والوں نے ہی شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین ذی النورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تقریباً دو ماہ سے زائد عرصہ محصور رکھنے کے بعد شہید کر دیا تھا۔

اس اعتبار سے سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی ایک تابندہ آفتاب کی طرح ہمارے لیے مشعل راہ ہے کہ جنہوں نے دنیا کے سب سے

بڑے انسان اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تربیت پائی۔ عمر بھر طاغوت کے مقابلے میں برسرِ پیکار رہے اور اپنی وفا شعاری کا آخری ثبوت فراہم کر دیا۔

بقول شاعرہ

دلیل فتح تو دیکھو حسینؑ کے قاتل
جسے جھکانے چلے تھے اسے اٹھا کے چلے

تاریخ کی کتابیں کربلا میں یزدیوں کے مظالم اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت و عالی حوصلگی سے ہمکنار ہیں مگر ٹھوس مضامین اور مستند روایات و واقعات خال خال نظر آتے ہیں۔ اس کمی کو دور کرنے کی عصر حاضر میں یہ سعادت جناب مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ محمد اقبال عطاری کے حصے میں آئی کہ انہوں نے امام پاکؓ کی سیرت کے بہت سے درخشندہ گوشوں کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے تا کہ موجودہ اور بعد میں آنے والی نسلیں ان سے کماحقہ استفادہ کر سکیں۔

اہل بیت کے فضائل و مناقب

حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بھائی حضرت حسن رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ایک منقبت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اہلِ بیت کی شان میں لکھی۔

باغ جنت کے ہیں بہرِ مدح خوانِ اہلِ بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلِ بیت
کس زباں سے ہو بیانِ عزّ و شانِ اہلِ بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلِ بیت
ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلِ بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبرائیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں عزّ و شانِ اہلِ بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ بیت
حوریں کرتی ہیں عروسانِ شہادت کا سنگھار
خوبرو دولہا بنا ہے ہر جوانِ اہلِ بیت
اے شبابِ فصلِ گل یہ چل گئی کیسی ہوا

11/6/43

کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستان اہلِ بیت
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہلِ بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت
وقت رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگان اہلِ بیت
گھر لٹانا سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جان عالم ہو فدا اے خاندان اہلِ بیت
بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہلِ بیت

برادرانِ ملت! شروع میں جس آیت کریمہ کے لکھنے کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے یعنی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اہلِ بیت یعنی اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ اس آیت کریمہ میں سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کرام کی عظمت وفضیلت اور ان کے درجات ومراتب کا واضح طور پر بیان ہے۔ حضرت امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری علیہ الرحمۃ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بری باتوں اور فحش چیزوں کو دور رکھے اور تمہیں گناہوں کے میل کچیل سے صاف رکھے۔

(برکات آلِ رسول ترجمہ الشرف المؤبد لآل محمد للعلامۃ النبھانی ص ۳۱)

اور حضرت سعید بن قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس

آیتِ کریمہ سے اہلِ بیت مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے پاک رکھا اور اپنی مخصوص رحمت سے نوازا۔ (برکات آلِ رسول، ص ۳۱)

حضرت علامہ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں جو رجس کا لفظ ہے وہ گناہ، عذاب نجاستوں اور نقائص کے معانی پر بولا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ساری چیزیں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے دور فرما دیں۔

(برکاتِ آلِ رسول ص ۳۲)

اور امام زہری نے فرمایا کہ رجس ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں چاہے وہ عمل ہو یا غیر عمل۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ رب العزت نے اہلِ بیت کرام سے ہر قسم کی ناپسندیدہ چیزیں دور فرما دیں۔ (برکات آلِ رسول، ص ۳۲)

اس آیت کریمہ میں اہلِ بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ امام بغوی، خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جن میں صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اس طرف گئی ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ہیں اہل عبا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم (برکات آلِ رسول، ص ۳۲)

اور دوسری جماعت جس میں صحابی رسول حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ جو تابعی ہیں ان کا موقف ہے کہ اہلِ بیت سے امہات المومنین مراد ہیں۔ اس لیے کہ یـآ یھـا النبی قل لا زواجك سے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ○ تک مسلسل سات آیتیں امہات المومنین سے متعلق ہیں تو بیچ میں ایسا کلام کیسے آجائے گا جو ان سے متعلق نہ ہو۔ جو لوگ اہل البیت سے اہل عبا یعنی پنجتن پاک مراد لیتے ہیں وہ دوسری جماعت کو جواب دیتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر آیا ہے جو کلام عرب میں عام ہے اور کہتے ہیں کہ متعدد صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں تشریف

لائے کہ ان کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کو قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور حسنین کریمین کو ایک ایک ران پر بٹھایا، پھر ان پر اپنی چادر مبارک لپیٹی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ اور ایک روایت میں ہے کہ یوں فرمایا: اللّٰھم ھٰؤلاء اھلِ بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا یعنی یا الٰہی! یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے ہر ناپاکی دور فرما اور انہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چادر اٹھائی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے چادر کھینچ لی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انک من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم علٰی خیر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے ہو بھلائی پر ہو۔

(برکات آلِ رسول، ص ۳۵)

جو لوگ کہ اہلِ بیت سے پنجتن پاک مراد لیتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کی دلیل میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ حسن اور صحیح طریقوں سے مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد جب فجر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے ہوئے فرماتے الصلاۃ اھل البیت یعنی اے اہلِ بیت! نماز پڑھو۔ پھر آیت کریمہ انما یرید اللہ آخر تک تلاوت فرماتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد چالیس روز تک صبح کے وقت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر

تشریف لائے اور فرمایا: السلام علیکم اهل البیت ورحمة الله وبرکاته الصلوٰة رحمکم الله یعنی اے اہلِ بیت! تم پر خدائے تعالیٰ کی سلامتی رحمت اور برکت ہو۔ نماز پڑھو تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ پھر آیت کریمہ انما یرید الله الخ تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آٹھ مہینے تک اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تصریح ہوگئی کہ آیت مبارکہ میں اہلِ بیت سے مراد پنجتن پاک ہیں۔ (برکات رسول ص ۳۵)

بہرحال اہلِ بیت سے امہات المؤمنین مراد لینے والے اور پنجتن پاک مراد لینے والے دونوں گروہوں کے پاس دلائل ہیں لہٰذا جمہور علمائے امت نے فرمایا کہ آیت مبارکہ میں اہلِ بیت سے المؤمنین اور پنجتن پاک دونوں مراد ہیں اور یہ انہوں نے اس لیے فرمایا تا کہ سارے دلائل پر عمل ہو جائے۔ اس سلسلے میں حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سوانح کربلا میں بہت خوب لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ دولت سرائے اقدس میں سکونت رکھنے والے اس میں داخل ہیں کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں چونکہ اہلِ بیت نسب کا مراد ہونا مخفی تھا اس لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فعل مبارک سے یعنی چادر میں لپٹا کر بیان فرمادیا کہ مراد اہل البیت سے عام ہیں خواہ بیت مسکن کے اہل ہوں جیسے کہ ازواج یا بیت نسب کے اہل بنی ہاشم ومطلب چنانچہ امام ثعلبی نے فرمایا کہ بعض حضرات نے کہا اہل البیت سے مراد بنی ہاشم ہیں۔ اس لیے کہ بیت سے مراد بیت نسب ہے لہٰذا حضرت عباس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مسلمان چچا اور چچازاد بھائی سب اہلِ بیت میں سے ہوں گے۔ یہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسا کہ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے (برکات آلِ رسول، ص ۲۱۰)

اور علامہ خطیب نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی زیادہ عام فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہلِ بیت میں اختلاف ہے اور بہتر وہ ہے جو امام بقائی نے فرمایا کہ اہلِ بیت وہ سب حضرات

ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص وابستگی رکھتے ہیں۔ مرد، عورتیں، ازواج مطہرات، کنیزیں اور قریبی رشتے دار۔ ان میں سے جو شخص زیادہ قریب ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق رکھنے والا ہوگا وہ مراد ہونے کے زیادہ لائق ہے۔
(برکاتِ آلِ رسول، ص ۴۱)

حضرت امام بقاعی کے قول کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ طبرانی وغیرہ کئی محدثین کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چادر اٹھا کر اپنا سر اندر داخل کر لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا:

انك علٰی خیر یعنی تم بھلائی پر ہو۔ (برکاتِ آلِ رسول، ص ۳۸)

اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی کالی کملی میں لپٹایا اور آیت تطہیر تلاوت فرمائی تو حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحاب صفہ میں سے ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ کے اہل میں سے ہوں تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وانت من اھلی یعنی ہاں تم بھی میرے اہل میں سے ہو اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان منا اھل البیت یعنی سلمان ہم میں سے اہلِ بیت میں سے ہیں۔

(برکاتِ آلِ رسول، ص ۴۲)

اور اسی لیے امام العارفین شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہ فتوحات مکیہ کے انیسویں باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ قیامت تک سادات کرام، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سب اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر صوفیاء کے امام ہیں۔ ان کا ارشاد حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ (شرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۳)

ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے رحمت عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود وسلام کا نذرانہ وہدیہ پیش کریں صلی اللہ علی النبی الامی الخ۔

حضرات! سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اہلِ بیت چاہے اہلِ بیت نسب ہوں یا اہلِ بیت سکنی یا اہلِ بیت ولادت یا اور کسی کو اہلِ بیت میں شامل کر لیا گیا ہو سب عزت وعظمت والے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ہر خاص موقع پر علیحدہ کر کے فرماتے ہیں وہ یہی چار نفوس قدسیہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اسی لیے اہلِ بیت کا لفظ ان ہی چار حضرات کے لیے شائع ومشہور ہے۔

(اشعۃ اللمعات ص ۶۸۱ ج ۴ میں ہے اطلاق اہلِ بیت بریں چہار تن پاک شائع ومشہور ست ۱۲۰)

اب آپ حضرات ایک آیت کریمہ اور ملاحظہ فرمائیں جس سے اہلِ بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت ومنزلت ظاہر ہوتی ہے۔ پارہ ۳ رکوع ۱۴ میں ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِیهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ۝

یعنی اے محبوب! پھر جو لوگ تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں بعد اس کے کہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو ان سے فرمادو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو۔ پھر ہم مباہلہ کریں یعنی گڑگڑا کر دعا مانگیں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

اس آیت مبارک کا شان نزول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں بیشک وہ اللہ کے بندے' اس کے رسول اور اس کے کلمے ہیں جو کنواری مریم کی طرف القاء کیے گئے۔ یہ سن کر عیسائی بہت غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے؟ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ تو صرف بغیر باپ ہی کے پیدا کیے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیے گئے تو جب انہیں اللہ رب العزت کا بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے؟ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح دلیل کے ساتھ حق کو بیان فرمایا مگر عیسائی برابر جھگڑتے رہے اور اپنی معاندانہ روش سے باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دو۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العزت کے فرمان کے مطابق نجران کے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور آیت کریمہ پڑھ کر سنائی تو عیسائی کہنے لگے کہ ہم غور اور مشورہ کر لیں پھر کل آپ کو جواب دیدیں گے۔ جب وہ لوگ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے پادری اور صاحب الرائے شخص عاقب سے کہا کہ اے عبدالمسیح! اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اے جماعت نصاریٰ! تم پہچان چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ضرور ہیں تو اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب اگر عیسائیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑ دو اور گھر کو لوٹ جاؤ۔ یہ مشورہ کرنے کے بعد عیسائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور دست مبارک میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اور حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا

کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے سب سے بڑے پادری عبد المسیح نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا اے جماعت نصاریٰ انی لا ریٰ وجوھا لو سأ لوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ یعنی بیشک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو ہٹانے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے۔

(تفسیر خازن، ص ۳۲۰ ج ۱)

پھر پادری نے کہا کہ اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔ عیسائیوں نے پادری کی بات مان لی اور جزیہ دینا منظور کیا مگر مباہلہ کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں پر عذاب بالکل قریب آ چکا تھا۔ اگر وہ ہم سے مباہلہ کرتے تو بندوں اور سوروں کی صورت میں مسخ کر دیئے جاتے اور عذاب الٰہی کی آگ سے جنگل جل جاتے۔ نجران اور وہاں کے رہنے والے چرند و پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کی مدت میں تمام روئے زمین کے عیسائی ہلاک و برباد ہو جاتے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

برادران اسلام! غور کیجئے کہ فرمان خداوندی کے مطابق عیسائیوں سے طے یہ ہوا تھا کہ تم اپنے بیٹوں کو لے کر نکلو اور ہم اپنے بیٹوں کو، تم اپنی عورتوں کو لے کر میدان میں آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم خود بھی آؤ اور ہم بھی آئیں۔ اس موقع پر سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیائے اسلام میں سے جن پاک اور برگزیدہ ہستیوں کا انتخاب فرمایا وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا: ھذان ابنای یعنی یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۵۷۰)

یہی وجہ ہے کہ جب مباہلہ کے لیے اپنے بیٹوں کو لے کر میدان میں نکلنا ہوا تو حسنین کریمین کو لے کر آئے اور اسی سبب سے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آج تک ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے جاتے ہیں اور قیامت تک ایسے ہی کہے جائیں گے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب ان حضرات کو ہمراہ لے کر مباہلہ کے لیے مکان سے باہر نکلے تو یہ فرمایا:

اللّٰھم ھؤلآء اھل بیتی یعنی اے اللہ! یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں۔

(مشکوۃ شریف، ص ۵۶۸)

برادران اسلام! اہلِ بیت کرام کی شان میں اور بھی آیات مبارکہ نازل ہوئی ہیں۔ تفسیر خازن اور معالم التنزیل وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے تو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ عیادات کے لیے گئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ نذر مانیں اگر خدائے تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے تو نذر پوری کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اسی طرح حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ خدائے عزوجل نے حضرات حسنین کو شفا عطا فرمائی۔ اب نذر پوری کرنے کا وقت آیا۔ سب لوگوں نے روزے رکھے مگر کاشانہ حیدری میں کوئی چیز روزہ افطار کرنے کے لیے نہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک یہودی کے یہاں سے تھوڑے جو قرض کے طور پر بعوض اجرت لائے۔ جَو کا ایک تہائی حصہ پیسا گیا اور شام کے وقت روٹیاں تیار کی گئیں۔ جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں کھانے کے لیے سامنے رکھی گئیں تو اچانک دروازہ پر ایک شخص نے آواز دی کہ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مسکین ہوں، بھوکا ہوں، کچھ اللہ کے نام پر دیجیے تو سب روٹیاں اسے دے دی گئیں اور خود سادہ پانی

پی کر سب لوگوں نے روزہ افطار کیا۔ پھر دوسرے روز ایک تہائی جَو کی روٹیاں بنالی گئیں اور جب اہلِ بیت کرام افطار کے لیے بیٹھے تو پھر دروازہ پر دستک ہوئی۔ آواز آئی کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے گھرانے والو! میں بھوکا ہوں، یتیم ہوں، تو دوسرے روز بھی سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں اور صرف پانی سے روزہ افطار کرلیا گیا۔ تیسرے دن پھر روزہ رکھا گیا اور باقی دو تہائی جو کی روٹیاں بنائی گئیں اور جب افطار کے وقت سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھے تو پھر ایک سائل نے آواز دی کہ اے اہلِ بیت کرام! میں اسیر ہوں، بھوکا ہوں تو تیسرے دن بھی جب کل روٹیاں اسے دے دی گئیں اور سادہ پانی پی کر روزہ افطار کیا گیا تو اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ٥ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ٥

اور وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم اور قیدی کو اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ (پ ۲۹، ع ۱۹)

اللہ اللہ! یہ ہے سخاوت اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی کہ تین دن مسلسل صرف پانی پی پی کر روزہ افطار کرتے ہیں مگر سائلوں کو اپنے دروازہ سے محروم نہیں فرماتے اور ان پر یہ بات بھی واضح کر دیتے ہیں کہ اس بھلائی کا وہ ان سے کوئی بدلہ نہیں طلب کریں گے بلکہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا چرچا کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ کام انہوں نے خالص لوجہ اللہ صرف اپنے رب کریم کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔

اہلِ بیت اور احادیث کریمہ!

برادران ملت! اہلِ بیت کرام کی تعریف وتوصیف اور ان کی مدح وستائش میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔ مسلم شریف میں ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان غدیر خم کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی' پھر آپ نے ہم لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں انسان ہوں' قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ یعنی ملک الموت میرے پاس آئے تو میں خدائے تعالیٰ کے حکم کو قبول کروں۔ وانا تارك فيكم الثقلين اور میں تم میں دو نفیس اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔

اولهما كتاب الله فيه الهُدىٰ والنور ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تو خدائے تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

راوی حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے بارے میں لوگوں کو ابھارا اور رغبت دلائی پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

و اهلِ بيتي اذكركم الله في اهلِ بيتي اذكركم الله في اهلِ بيتي یعنی اور دوسری گراں قدر چیز میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور اس سے ڈراتا ہوں اور اس جملہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ میں تاکید کے ساتھ تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو' ان کے حق کی ادائیگی میں

ہرگز کوتاہی نہ کرو اور ترمذی شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجتہ الوداع میں عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: یٰآیھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلّو اکتاب وعترتی اھلِ بیتی یعنی اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیز ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسرے میری لولا دوزریت میرے اہلِ بیت ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۹)

اور طبرانی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یومن عبد حتی اکون احب الیہ من نفسہٖ وتکون عترتی احب الیہ من عترتہٖ واھلی احب الیہ من اھلہٖ وذاتی اجب الیہ من ذاتہ یعنی کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ مجھے اپنی جان سے میری اولاد (حسنین وغیرہ) کو اپنی اولاد سے میرے اہل کو اپنے اہل سے اور میری ذات سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔

(شرف المؤبد، ص ۸۵)

اور امام احمد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا: من احبنی واحب ھذین وامھما وابا ھما کان معی فی در جتی یوم القیٰمۃ

یعنی جس نے مجھ سے محبت رکھی اور ان دونوں سے اور ان کے والدین سے محبت رکھی تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔ (شرف المؤبد، ص ۸۶)

یعنی پنجتن پاک سے محبت رکھنے والا بصورت خدمت گار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ ہمیں دکھائی دے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا مقام بھی وہی ہوگا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کا دروازہ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ الا ان قتل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من

رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۳)

یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ میرے اہلِ بیت تم لوگوں کے لیے نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہیں جو شخص کشتی میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو کشتی میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تو ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۴)

حضرت علامہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل سنت و جماعت محبت اہلِ بیت کی کشتی پر سوار ہیں اور ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہدایت پانے والے ہیں لہٰذا ہم لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے، جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۶۱۰ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محبت اہلِ بیت کی کشتی پر سوار نہیں ہوئے جیسے خارجی کہ انہوں نے محبت کے بجائے اہلِ بیت سے دشمنی کی تو وہ ہلاک ہو گئے اور رافضی جو اس کشتی میں سوار تو ہوئے مگر ہدایت کے ستارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہدایت نہیں حاصل کیے تو وہ بھی کفر و ضلالت کی تاریکی میں کھو گئے اور حدیث صحیح میں ہے جسے بہت سے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ جب ابولہب کی بیٹی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائیں تو کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہاری ہجرت تمہیں بے نیاز نہیں کرے گی اس لیے کہ تم جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہو۔ انہوں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سخت ناراض ہوئے۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: مابال اقوام یؤذینی فی نسبی وذوی رحمی الا ومن اذی نسبی وذوی رحمی فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ یعنی ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے نسب اور رشتہ داروں کے بارے میں اذیت دیتے ہیں۔

خبردار جس نے میرے نسب اور رشتہ داروں کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ (برکات آلِ رسول، ص ۲۵۷)

اور طبرانی و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو ان رجلا صعد بین الرکن والمقام فصلی وصام ثم مات وھو مبغض الاھل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دخل النار یعنی اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک گوشہ اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہلِ بیت کی دشمنی پر مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ (اشرف المؤبد ص ۹۲) (محب طبرانی، ص ۵۱)

اہلِ بیت کی دشمنی سے خدا کی پناہ کہ بیت اللہ شریف کے سایہ میں مقامِ ابراہیم جیسی متبرک جگہ پر نمازیں پڑھنے والا اور روزہ رکھنے والا بھی اگر اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ بھی جہنم کا ایندھن بنے گا اور کوئی بھی نیک عمل اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اہلِ بیت اور اکابرین سلف وخلف کے ارشادات

برادرانِ ملت! اکابرین سلف وخلف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ لوگوں کو ان سے محبت رکھنے کی تاکید فرماتے رہے اور خود ان سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ اس امت کے سیّد الاکابرین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صلۃ قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی من صلۃ قرابتی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے۔ (اشرف المؤبد، ص ۸۷)

اور عبداللہ بن مسعود جو جلیل القدر صحابی اور سابقین اولین میں سے ہیں وہ فرماتے

ہیں حب ال محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عبادة سنة یعنی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(اشرف المؤبد ص ۸۵)

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جو شخص پوری زندگی اہلِ بیت کی محبت میں گزارے گا وہ قیامت کے دن عظیم خوبیوں والا ہو گا۔ حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لازمی طور پر ان کے ساتھ اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قید و بند اصل میں اسی بنا پر تھی اگر چہ ظاہر میں سبب یہ تھا کہ انہوں نے قاضی کا منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (اشرف المؤبد ص ۸۸) اور روایت ہے کہ جعفر بن سلیمان نے جب امام مالک رضی اللہ عنہ کو کوڑے لگوائے اور جو سزا دینی تھی دی اور انہیں بیہوشی کی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا' لوگ آپ کے پاس آئے' جب افاقہ ہوا تو فرمایا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مارنے والے کو معاف کر دیا۔ بعد میں آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا مجھے خوف ہے کہ مرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضری ہو گی تو مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء آئے گی کہ میری وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ایک فرد سے مواخذہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں جعفر سے آپ کا بدلہ دلواتا ہوں تو امام نے فرمایا: خدا کی پناہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا' خدا کی قسم جب چابک میرے جسم سے اٹھتا تھا تو میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے سبب معاف کر دیتا تھا۔ (برکات آلِ رسول' ص ۲۶۲)

اور حضرت علامہ نبہانی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ پاک سے بہت محبت کرنے کے سبب اس حال میں بغداد

لے جائے گئے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی تھیں بلکہ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کچھ لوگوں نے انہیں رافضی کہہ دیا تو آپ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

لو کان رفضاً حب ال محمد
فلیشهد الثقلان انی رافضی

یعنی اگر آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانسان گواہ ہو جائیں کہ اس معنی میں بیشک میں ''رافضی'' ہوں اور جوشِ عقیدت وجذبۂ محبت میں اہلِ بیت رسالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا اهلِ بیت رسول اللّٰہ حبکم
قرض من اللّٰہ في القراٰن انزله

یعنی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت! آپ لوگوں کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور یہ حکم خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں نازل فرمادیا ہے اور وہ آیت کریمہ یہ ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط
یعنی اے محبوب! تم فرماؤ کہ میں اس پر تم لوگوں سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ (پ۲۵ع۴)

آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی ظاہر کرتے ہوئے امام شافعی رضی اللہ عنہ اور فرماتے ہیں:

یکفیکم من عظیم انفخر انکم
من لم یصل علیکم لا صلاة له

یعنی اے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کے لیے یہ عظیم فخر کافی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ علامہ جہان نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھنے والے کی نماز کامل نہیں ہوتی

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرجوح قول کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی۔ (اشرف المؤبد ص ۸۸) اور حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سنن کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں۔ اگرچہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء اور اولیاء کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں۔ پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں جتنی والی مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہو سکتی ہے۔

سادات کرام کے آداب میں یہ ہے کہ ہم ان سے عمدہ بستر، اعلیٰ مرتبے اور بہترین طریقے پر نہ بیٹھیں۔ ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں۔ اسی طرح کسی سید زادی سے نکاح نہ کریں۔ ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم ان کی تعظیم کا حق واجب ادا کر سکتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے۔ (برکات آلِ رسول، ص ۲۵۳)

اور یہی حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم ہرگز سیّد زادی سے نکاح نہ کریں مگر اس وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں ان کی نافرمانی کروں گا تو میں نافرمان غلام اور گنہگار ہوں گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے لائق نہیں ہے۔ جو شخص تبرک کے لیے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے کہ سلامتی غنیمت سے مقدم ہے یعنی یہ خطرہ بہر حال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کما حقہ ادا نہ ہو سکے۔ اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔ رہی برکت کی بات تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بے شمار ہو اور کوئی ایسے سیّد اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس اس کے مہر اور صبح و شام کھانے

کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہم ان سے نکاح کر دیں اور انہیں مایوس نہ کریں کیونکہ فقر عیب نہیں ہے جس کی بنا پر پیغام نکاح رد کر دیا جائے بلکہ یہ تو شرافت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ اپنے رب کریم سے دعا کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن فقرا اور مساکین کے گروہ میں اٹھائے اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا رزق قوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح و شام اس سے کچھ نہ بچے تو جس چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اہلِ بیت کے لیے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے لہٰذا جو شخص نادار سیّد کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کرے اس پر خدائے عزوجل کی ناراضگی کا خوف ہے اور علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی سیّد یا سیّدہ کے پاس سے گزریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انہیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے' کھانا یا کپڑے پیش کریں یا ان سے عرض کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجئے تاکہ حسب استطاعت آپ کی ضروریات شرعیہ پوری کی جائیں۔ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لیے یہ بات کس قدر بری ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے پاس سے گزرے اور وہ راستے میں سوال کر رہے ہوں مگر یہ شخص انہیں کچھ پیش نہ کرے۔

(برکات آلِ رسول ۲۵۶)

اہلِ بیت کی خصوصیات

برادرانِ ملت اسلام! اب آپ حضرات اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خصوصیات ملاحظہ فرمائیں جو ان کے علاوہ کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔

پہلی خصوصیت!

زکوٰۃ کا حرام ہونا یعنی اہلِ بیت کرام کو زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ دینا اور ان کا لینا حرام ہے اگرچہ وہ مالک نصاب نہ ہوں۔ مسلم شریف میں حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی

اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس وانها لاتحِلُّ لمحمدٍ ولا لال محمدٍ یعنی زکوٰۃ کے مال لوگوں کی میل ہیں اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم کے لیے جائز نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(مشکوٰۃ شریف ۱۹۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام میں بہترین تشبیہہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کو اوساخ الناس یعنی لوگوں کی میل اس لیے فرمایا کہ ان کی آلودگیوں کو پاک کرتی ہے اور ان کے اموال ونفوس کو صاف کرتی ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا یعنی اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ لو اس زکوٰۃ کے ذریعہ انہیں پاک وصاف کرو۔ (پ ۱۱ ع ۲)

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی ایک کھجور اٹھائی اور منہ میں رکھ لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کخ کخ یعنی چھی چھی اسے پھینک دو۔ اس کے بعد فرمایا: **اما شعرت انا لانا کل الصدقة** کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ زکوٰۃ نہیں کھایا کرتے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱)

اور ولی کبیر حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ البحر المورود میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر فرما دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

معاذ الله ان استعملك علىٰ غسالة ذنوب الناس یعنی خدا کی پناہ کہ میں تمہیں لوگوں کے گناہوں کے دھوون وصول کرنے پر مقرر کر دوں۔ (اشرف المؤبد ص ۳۵)

ترمذی ابوداؤد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنومخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ

وصول کرنے کے لیے مقرر فرما کے بھیجا تو انہوں نے ابورافع سے کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں تا کہ آپ کو بھی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ حق المحنت مل جائے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دریافت نہ کرلوں گا آپ کے ہمراہ اس کام کے لیے نہ جاؤں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے جانے کی اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان الصدقة لا تحلّ وان موالی القوم من انفسهم** (مشکوٰۃ شریف، ص ۱۶۱)

> یعنی زکوٰۃ ہم بنی ہاشم کے لیے جائز نہیں اور بنی ہاشم کا آزاد کردہ غلام بھی بنی ہاشم ہی کے حکم میں ہے۔ جب ہمارے لیے زکوٰۃ جائز نہیں تو ہمارے آزاد کردہ غلام کے لیے بھی جائز نہیں۔

اسی لیے فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، نہ دوسرا کوئی شخص انہیں دے سکتا ہے نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو، یہاں تک کہ بنی ہاشم کے آزاد کیے ہوئے غلام کو بھی نہیں دے سکتے۔ بنی ہاشم سے مراد ہیں حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد یعنی ان سب کی اولاد کو زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں البتہ صدقہ نافلہ اور اوقاف کی آمدنی ان کو دینا جائز ہے۔

دوسری خصوصیت!

اہلِ بیت حسب ونسب میں سارے انسانوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ کنانہ کو منتخب فرمایا، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ (برکات آل رسول، ص ۹۱)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو اس میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا' پھر بنی آدم میں سے عرب کو' عرب میں سے مضر کو' مضر میں سے قریش کو' قریش میں سے بنی ہاشم کو' پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا تو میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

(برکات آلِ رسول' ص ۹۱)

اور امام احمد ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل امین علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب الٹ ڈالے لیکن میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہ پایا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے

سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

تجھے یک نے یک بنایا

اور حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان ڈالے مگر مجھے بنی ہاشم سے زیادہ فضیلت والے کسی باپ کے بیٹے نہیں ملے۔

(برکات آلِ رسول' ص ۹۱)

اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں زمین کے مشرق و مغرب' نرم زمین اور پہاڑوں میں پھرا تو میں نے عرب سے افضل کوئی خاندان نہیں پایا۔ پھر مجھے حکم فرمایا تو میں عرب میں پھرا' مجھے مضر سے افضل کوئی قبیلہ نہیں ملا' پھر مجھے حکم ملا میں مضر میں پھرا تو میں نے کنانہ سے افضل کوئی قبیلہ نہیں پایا' پھر مجھے حکم فرمایا میں کنانہ میں پھرا تو میں نے قریش سے بہتر کوئی قبیلہ نہ پایا' پھر مجھے حکم دیا تو

قریش میں پھرا تو میں نے بنی ہاشم سے افضل کوئی قبیلہ نہ پایا۔ پھر مجھے ان میں سے کسی کے منتخب کرنے کا حکم دیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہ پایا۔

(برکات آل رسول، ص ۹۲)

اور طبرانی و دار قطنی میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت میں سب سے پہلے اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا پھر دوسرے لوگوں کی اور میں جس کی پہلے شفاعت کروں گا وہ زیادہ فضیلت والا ہے:

من اشفع له او لا فهوا افضل (اشرف المؤبد، ص ۳۹)

یہ تمام حدیثیں واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ اہلِ بیت کرام حسب و نسب میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں اور اسی لیے دوسرے لوگ نکاح میں ان کے کفو نہیں ہیں۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خصائص کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا ہمسر نہیں ہے۔ (برکات آل رسول، ص ۹۳)

تیسری خصوصیت!

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اور نسب کے علاوہ قیامت کے دن ہر رشتہ داری اور نسب منقطع ہو جائے گا۔ حدیث شریف ہے:

كل سبب ونسب ينقطع يوم القيامة إلا سببي ونسبي

(اشرف المؤبد، ص ۴۲)

روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت اُم کلثوم بنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی کم سنی کا عذر پیش کیا اور یہ فرمایا کہ میں ان کا نکاح اپنے بھائی حضرت جعفر کے صاحبزادے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا:

اے لوگو! میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی صاحبزادی کے بارے میں اس لیے اصرار کیا ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے:

کل سبب ونسب وصهر ينقطع يوم القيامة الا سببي ونسبي وصهري یعنی قیامت کے دن میرے تعلق، نسب اور رشتے کے علاوہ ہر تعلق، نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ ان سے حضرت زید پیدا ہوئے جو جوان ہو کر انتقال کر گئے۔ (اشرف المؤبد، ص ۳۹)

اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے رشتہ قائم کرنے میں بہت فائدہ ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب!

اگر کوئی شخص کہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور دیگر عزیز و اقارب سے فرمایا لا اغنی عنكم من الله شيئا یعنی میں تمہیں خدا کے عذاب سے کچھ بے نیاز نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اپنی لختِ جگر نورِ نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یا فاطمة بنت محمدٍ سليني ما شئت من مالي لا اغني عنك من الله شيئا یعنی اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے مال میں سے جو تم چاہو مانگ لو لیکن خدائے تعالیٰ کا عذاب اور اس کی گرفت ہو تو میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۰)

اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت کے کام نہیں آ سکتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت کے کام نہیں آ سکتے تو اہلِ بیت کی رشتہ داری دوسروں کے کیا کام آ سکتی ہے؟ اس شبہ کے جواب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام خدائے تعالیٰ

سے خوف دلانے اور ڈرانے میں انتہائی مبالغہ ہے۔ اس لیے کہ اہلِ بیت کی فضیلت و بزرگی، ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور ان کا جنتی ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ص ۶۷۲، ج ۴)

اور محبّ طبری نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم از خود کسی کے نفع وضرر کے مالک نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہلِ بیت اور عزیز واقارب بلکہ تمام امت کو شفاعت عامہ اور خاصہ سے نفع پہنچانے کا مالک بنا دے گا۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب اس وقت کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اس بات سے آگاہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فائدہ دینے والی ہے۔ ایک مرتبہ پھر آپ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب اور اہلِ بیت کرام پر نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ بلند آواز سے درود وسلام کی ڈالیاں پیش کریں۔

اللّٰھم صل علٰی سیدنا محمدٍ وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ واھلِ بیتہٖ وبارك وسلم۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور ان کی رشتہ داری کا فائدہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوا اسے مناسب نہیں کہ جو کچھ ذکر ہوا اس پر کلی اعتماد کرے اور علم وعمل کی فرصت محسوس نہ کرے۔ اس لیے کہ یہ ساری باتیں اس کے لیے ہیں جو واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں سے ہو اور اس کا یقین کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لیے کہ ممکن ہے کچھ عورتوں سے لغزش ہوئی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آباؤ اجداد میں سے کسی شخص نے منسوب ہونے میں غلط بیانی کی ہو۔ اگرچہ یہ احتمال ظاہر کے خلاف ہے لیکن اسے بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اہلِ بیت کے اکابر سے منقول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شدید خشیت اس کے عذاب کے عظیم

خوف اور معمولی سی کوتاہی پر بہت زیادہ افسوس کرنے کے خوگر تھے۔ (اشرف المؤبد ص ۴۰)

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں پر عموماً اور اہلِ بیت پر خصوصاً چند امور کی رعایت لازم ہے۔ اول علومِ شرعیہ کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا اس لیے کہ علم کے بغیر نسب کا کامل فائدہ نہیں ہے' دوم باپ دادا پر فخر نہ کرنا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے بغیر محض ان پر اعتماد نہ کرنا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (پ ۲۶ 'ع ۱۴)

یعنی تم میں سے بارگاہِ الٰہی میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

(برکاتِ آلِ رسول بحوالہ الصواعق المحرقہ ص ۱۸۱)

چوتھی خصوصیت!

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں اصطلاح یہ تھی کہ اشراف کا لفظ صرف اہلِ بیت پر بولا جاتا تھا' دوسروں پر نہیں۔ پھر یہ لقب حسنی حسینی سادات کے لیے مخصوص ہو گیا۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں شریف (سیّد) کا لفظ ہر اس فرد پر بولا جاتا تھا جو اہلِ بیت رسالت سے ہو' چاہے حسنی حسینی ہو یا علوی' حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہو یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیگر اولاد سے اور حضرت جعفر یا حضرت عقیل کی اولاد سے ہو یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی۔ پھر جب مصر میں فاطمی حضرات تخت وخلافت کے مالک ہوئے تو انہوں نے شریف (سیّد) کا لفظ حضرت حسن و حضرت حسین کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا اور مصر میں آج تک یہ اصطلاح جاری ہے۔

(اشرف المؤبد ص ۴۰)

حضرت علامہ نبہانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ اصطلاح مشرق و مغرب کے اسلامی شہروں میں مشہور ہے جب عربی میں شریف کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے حسنی یا حسینی سیّد مراد ہوں گے۔ بہت سے شہروں میں یہ اصطلاح بھی عام ہے کہ سیّد کا لفظ

صرف حسنی اور حسینی سادات پر بولا جاتا ہے۔ جب یہ لفظ بولا جائے گا تو ان کے سوا کوئی دوسرا مراد نہیں ہوگا۔ یہ اہل حجاز کے ماسوا کی اصطلاح ہے۔ اہل حجاز کی اصطلاح یہ ہے کہ شریف کا استعمال حسنی سادات کے لیے' سیّد کا استعمال حسینی سادات کے لیے کرتے ہیں تاکہ دونوں میں واضح فرق ہو جائے۔ (اشرف المؤبد' ص ۴۱)

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چیز اشراف کے لیے وقف کی گئی یا ان کے لیے وصیت کی گئی تو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کے علاوہ دوسرا کوئی ان میں داخل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وقف اور وصیت کا دارومدار عرف پر ہے۔ (اشرف المؤبد' ص ۴۱)

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بیان حق ہے مگر اب شہروں کا عرف بدل رہا ہے۔ حضرت علامہ نبہانی تحریر فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں سیّد کا لفظ اشراف کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس شہر کے صرافہ بازار میں جا کر دیکھیے تو شاید ہی کوئی ایسی مہر نظر آئے کہ جس پر سیّد نہ لکھا ہو سوائے اس شخص کے جو سیّد صحیح النسب ہو یا دیندار باحیا آدمی ہو۔ اشراف اپنی مہروں میں لفظ سیّد نہیں رکھتے اس خوف سے کہ ان کے نسب میں لوگوں کو شبہ نہ ہو جائے۔ (اشرف المؤبد' ص ۴۳)

یہی حال عنقریب اس ملک میں بھی ہونے والا ہے کہ جو سیّد صحیح النسب ہوگا وہ اپنے نام کے ساتھ سیّد نہیں لکھے گا اس لیے کہ اب بہت سے دوسرے لوگ اپنے کو سیّد لکھنے لگے ہیں تو وہ اپنے نسب کو اشتباہ سے بچانے کے لیے اپنے نام کے ساتھ سیّد لکھنے سے پرہیز کریں گے جیسا کہ بہت سے لوگوں نے جب اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھنا شروع کر دیا تو مدینہ طیبہ کا انصاری خاندان جو اس ملک میں ہے اس نے انصاری لکھنا چھوڑ دیا۔ جو لوگ اپنا نسب غلط بتاتے ہیں وہ اس حدیث شریف سے نصیحت حاصل کریں جو بخاری مسلم' ابوداؤد' ترمذی اور نسائی وغیرہ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملآئکۃ والناس اجمعین ۔ لا یقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلاً ۔

یعنی جو اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۶۷ ج ۵)

پانچویں خصوصیت

اہلِ بیت میں سے جو بے عمل ہوں ان کی بھی تعظیم کا حکم ہے۔ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ سیّد سے جب تک کفر نہ صادر ہو واجب التعظیم ہے۔ (حجۃ واہرہ ص ۱۱)

اور یہ اس لیے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا اور خدائے عز وجل ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا۔ اگر چہ اس طرح کہ انہیں موت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ارشاد خداوندی ہے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ۝ (پ ۲۲ ع ۱)

یعنی اے اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں ہر قسم کے گناہوں سے پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان فاطمۃ احصنت فرجها فحرمها اللہ وذریتها علی النار یعنی بیشک فاطمہ نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو جہنم پر حرام فرما دیا۔ (اشرف المؤبد ص ۱۰۵)

اہلِ بیت کے فاسق کی عزت ان کے فسق اور بے عملی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی مبارک نسبت کی بنا پر ہے اور یہ خوبی جیسے کہ ان کے نیک لوگوں میں ہے ویسے ہی ان کے فسق میں بھی موجود ہے یعنی کسی کا فاسق ہونا اسے اہلِ بیت نبوت سے خارج نہیں کر دے گا اس لیے کہ اہلِ بیت کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں لہٰذا فسق ان کے نسب میں خلل

انداز نہیں ہوگا البتہ صالحین کے درمیان ان کے مقام کو کم کر دیتا ہے۔ حضرت ابو محمد فارسی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسینی سیدوں سے بغض رکھتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ خلاف سنت افعال کے مرتکب ہیں۔ میں ایک دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں روضۂ مبارک کے سامنے سو گیا' مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے میرا نام لے کر فرمایا: کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ میری اولاد سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی پناہ میں انہیں ناپسند نہیں کرتا بلکہ مجھے سنت کے خلاف ان کا عمل ناپسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد والدین سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: یہ نافرمان اولاد ہے۔ حضرت ابو محمد فاسی فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو میرے دل سے ان کی عداوت دور ہو چکی تھی۔ پھر تو میں ان میں سے جس کسی سے بھی ملتا ان کی خوب تعظیم و تکریم کرتا۔

(برکات آلِ رسول' ص ۱۰۴)

سید حضرات ملاحظہ فرمائیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کے خلاف عمل کرنے والے کو نافرمان اولاد فرمایا جبکہ عام والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے تو سادات کا اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نافرمانی پر کیا حال ہوگا؟ حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ کے خاتمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خانوادے سے قائم ہو اس کا بڑا جرم اور دیانت و پرہیزگاری سے عاری ہونا اسے نسب عالی سے خارج نہیں کردے گا۔ اسی لیے بعض محققین نے فرمایا کہ خدانخواستہ اگر کسی سیّد سے زنا' شراب نوشی یا چوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد جاری کریں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں کو غلاظت لگ جائے اور اس کا کوئی خادم اسے دھو ڈالے۔

(برکات آلِ رسول' ص ۱۰۵)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کی سیادت یقینی ہو اور اس کا نسب ثابت ہو تو سیادت کے پیش نظر اس کی تعظیم و تکریم کی جائے گی اور اس کے غلط کاموں پر ناپسندیدگی ظاہر کی جائے گی اور اگر اس کا نسب ثابت نہیں ہے مگر وہ اس نسب کا دعویدار ہے اور اس کا جھوٹ ہونا معلوم نہیں ہے تو اس کی تکذیب میں توقف کیا جائے گا کہ ہر شخص اپنے نسب کا ذمہ دار ہے۔ اگر جھوٹ بولتا ہے تو مستحق لعنت ہے مگر دوسرے لوگ اسے بغیر ثبوت جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔

چھٹی خصوصیت

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلاتے ہیں اور صحیح نسب کے ساتھ آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ امام طبرانی نے حدیث بیان کی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ عزوجل جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ و ان اللہ تعالیٰ جعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالبٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد ان کی پشت میں رکھی اور میری اولاد علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی۔

(اشرف المؤبد ص ۴۸)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر ماں کی اولاد اپنے پدری رشتہ داروں کی طرف منسوب ہوتی ہے ماسوا اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کہ میں ان کا ولی ہوں اور ان کا عصبہ ہوں۔

(برکات آل رسول ص ۱۱۰)

اسعاف الراغبین میں ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کے لیے ہے۔ دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لیے نہیں ہے یعنی اگر ان کی اولاد زندہ رہتی تو ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں جس طرح کہ یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کی اولاد کے لیے کہی جاتی ہے۔

(برکاتِ آلِ رسول، ص ۱۱۰)

ساتویں خصوصیت

اہلِ بیت کا زمین میں موجود ہونا زمین والوں کے لیے باعث امن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: النجوم امان لاھل السماء واھل بیتی امان لاھل الارض یعنی ستارے آسمان والوں کے لیے باعث امن ہیں اور میرے اہلِ بیت زمین والوں کے لیے باعث امن ہیں اور ایک روایت میں ہے امان لامتی یعنی میرے اہلِ بیت میری امت کے لیے باعث امن ہیں۔

(اشرف المؤبد، ص ۴۶)

آٹھویں خصوصیت۔

وہ پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ امام ثعلبی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں لوگوں کے حسد کی شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم چار میں سے چوتھے ہو؟ سب سے پہلے جنت میں، میں تم اور حسنین کریمین داخل ہوں گے، ہماری ازواج مطہرات ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری ازواج کے پیچھے ہوگی۔

(برکاتِ آلِ رسول، ص ۱۰۹)

نویں خصوصیت

ان کی یہ خصوصیت شمار کی گئی ہے کہ جو شخص ان میں سے کسی پر احسان کرے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اسے بدلہ عطا فرمائیں گے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وسیلہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ میری بارگاہ

میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کے سبب میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں تو اسے چاہیے کہ میرے اہلِ بیت کی خدمت کرے اور انہیں خوش کرے۔

(برکات آلِ رسول' ص ۱۱۱' الصواعق المحرقۃ' ص ۱۰۷)

دسویں خصوصیت

مزید فرمایا: ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی محبت درازیٔ عمر اور قیامت کے دن چہرہ سفید ہونے کا سبب ہے اور ان کا بغض اس کے برعکس اثر رکھتا ہے جیسا کہ صواعق محرقہ میں حدیث شریف نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اپنی آرزوؤں سے بہرہ ور ہو اسے میرے بعد میرے اہلِ بیت سے اچھی طرح پیش آنا چاہیے اور میرے بعد ان سے اچھی طرح پیش نہیں آئے گا تو اس کی عمر قطع کر دی جائے گی اور قیامت کے دن اس حالت میں میرے پاس آئے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گا۔

(برکات آلِ رسول' ص ۱۱۱)

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہم سب لوگوں کو محبان اہلِ بیت کے گروہ میں شامل فرمائے اور ان کے جد کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

پارہ ہائے صحف غنچہائے قدس — اہلِ بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے — اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر — ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

رات اپنی سیاہ زلفیں بکھیرے ہوئے تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا' چارسو خاموشی کا پہرہ ہے' لوگ محوخواب ہیں' پچھلی رات کا وقت ہے' انوار وتجلیات کا سماں ہے' رحمت الٰہی کا نزول ہو رہا ہے' کہیں سے مسلسل صدا آرہی تھی بار الٰہی! نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قریبی عزیز کی زیارت کرادے۔ یہ یمن کے رہنے والے کتب سابقہ کے عالم مثرم بن وعیب کے دعائیہ الفاظ تھے۔ شہسوار مشرق کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ چاند نے اپنی ردا سمیٹی' ستارے اپنی محفل برخاست کر گئے' سورج کی کرنیں عالم کو منور کرنے لگیں اور ہوا کے جھونکوں میں آفتاب کی حدت رچ بس گئی۔ اِدھر ابو طالبؓ کسی ضروری کام سے یمن روانہ ہو رہے ہیں۔ مکہ کی سنگلاخ اور پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے' تپتے صحراؤں سے گزرتے ہوئے' طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ایک عرصہ بعد یمن پہنچتے ہیں۔ مثرم اپنی عبادت گاہ میں مجسمہ حیرت بنا ہوا ہے' وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دنیا فانی ہے' یہاں جو آیا ہے اسے کوچ کرنا ہے' زندگی کے آخری لمحات سے گزر رہا ہوں اور پھر اب تو میری عمر بھی ۱۹۰ سال ہو چکی ہے۔ میری دعا قبول ہوگی بھی یا نہیں؟ آخر وہ دن کب آئے گا جب میری دعا ثمر بار ہوگی؟ اس کے ذہن میں ایسے ہی بے شمار سوال کروٹ لے رہے تھے۔

جناب ابو طالب نے جہاں دوسرے شرفاء یمن سے ملاقاتیں کیں وہاں مثرم کی زیارت کے لیے اس کی عبادت گاہ بھی گئے۔ مثرم نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ کہا مکہ سے آیا ہوں۔ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ مثرم نے دوسرا سوال کیا۔ بنی ہاشم بن عبد مناف سے۔ مثرم کو شاید اب اپنی دعا کی قبولیت کا احساس ہونے لگا تھا تبھی تو اس نے ابو طالب کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا: ذرا اپنا نام تو بتائیں۔ کہا: میں ابو طالب بن عبدالمطلب ہوں۔ اب تو مثرم کو اپنی دعا کی قبولیت' یقین کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے

ہوئے دکھائی دینے لگی تھی۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے خوشخبری دی۔ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد سے دولڑکے پیدا ہوں گے۔ ایک نبی آخر الزماں ہوگا جن کے باپ کا نام عبداللہ ہوگا' ان کی پیدائش سے تیس سال بعد دوسرے لڑکے کی پیدائش ہوگی جس کے باپ کو لوگ ابوطالب کے نام سے پکارتے ہوں گے اور وہ لڑکا کامل ولی ہوگا۔

مثرم ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا اور پھر تفصیل پوچھتے ہوئے گویا ہوا۔ کیا عبداللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگیا ہے یا نہیں اس کی تو عمر بھی انتیس ۲۹ سال ہوگئی ہے اور ان کا نام محمد ہے۔ ابوطالب نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔ تو پھر مبارک ہو تمہیں اسی سال وہ فرزند دل بند عطا ہوگا جو امام المتقین اور پیشوائے مومنین ہوگا' یہاں سے جب واپس لوٹو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام عقیدت پیش کرنے کے بعد عرض کرنا کہ مثرم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیازمندوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا آخری نبی مانتا ہے اور جب تمہارے ہاں وہ لڑکا پیدا ہو تو اسے بھی میری طرف سے سلام شوق کہہ دینا۔ مثرم نے فرط عقیدت اور نہایت محبت آمیز لہجے میں کہا۔ آخر آپ کی بات کا کیسے یقین کرلوں؟ کوئی ایسی علامت ہو جس سے میں آپ کو صاحب کشف تسلیم کرسکوں۔

ابوطالب نے متردد انہ انداز میں کہا آپ خود بتائیں کہ کس طرح آپ کی تسلی ہو سکتی ہے؟ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے شرمسار نہیں کرے گا۔ مثرم نے بڑے عزم اور یقین کے ساتھ کہا۔ تو پھر یہ درخت تر و تازہ ہو جائے ابوطالب نے سامنے کھڑے انار کے خشک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مثرم نے دعا کی تو قدرتِ خداوندی کا یہ عجیب منظر نمودار ہوا کہ خشک درخت یکا یک سر سبز و شاداب اور ثمر آور ہوگیا۔ (محمد احمد قادری' ابوالحسنات' علامہ' اوراقِ غم' ابوگرین' لاہور' ص ۱۹۲)

ابوطالب نے یہ کرشمہ دیکھ کر نہایت پُر امید اور شاداں فرحاں مکہ واپسی کا سفر شروع

کردیا۔

بکعبہ ولادت

صحن حرم میں حسب معمول آج بھی خاصی گہما گہمی تھی۔ مرد وزن کعبۃ اللہ کے طواف میں مصروف ہیں۔ کچھ کعبہ میں رکھے ہوئے اپنے خود ساختہ خداؤں (بتوں) کے آگے کورنش بجا لا رہے ہیں اور اپنی پیشانیاں زمین پر رکھے گڑگڑا رہے ہیں۔ ابوطالب کی اہلیہ فاطمہ بنت اسد بھی ان بتوں کو سلامی دینے کے لیے آگے بڑھیں مگر کوشش اور خواہش کے باوجود جھک نہ سکیں۔ حیرانی کے عالم میں سوچنے لگیں کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ ایک آدھ بار تو ایسا نہیں ہوا کہ اسے واہمہ قرار دیا جائے۔ گزشتہ چند ماہ سے یہی ہو رہا ہے کہ وہ جب بھی بتوں کے آگے جھکنے کا ارادہ کرتی ہیں پیٹ کا بچہ جھکنے سے باز رکھتا ہے۔ بچہ ایسی پوزیشن اختیار کر لیتا ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود ان "خداؤں" کی تعظیم بجا نہیں لا سکتیں۔ (مومن بن حسن شبلنجی، علامہ، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، مکتبہ جمہوریہ عربیہ مصر، صفحہ ۷۶/ اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، مصر، جلد ۸، صفحہ ۳۶۴/ سید احمد زینی دحلان، السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ، مکتبہ اسلامیہ، بیروت، جلد ۱، صفحہ ۱۷۶)

فاطمہ بنت اسد باہر نکل کر خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول ہو جاتی ہیں، دو تین چکر ابھی باقی تھے کہ دردِ زہ کی شدت کے باعث طواف روک کر کعبہ کے اندر داخل ہو گئیں اور پھر وہاں وہ بچہ پیدا ہوا جس کی بشارت مثرم نے دی تھی اور جس کی پیشانی والدہ کے پیٹ سے لے کر مرتے دم تک کبھی بتوں کے آگے سجدہ ریز نہ ہوئی تھی۔

(احمد بن حجر ہیثمی، محدث، الصواعق المحرقہ، مکتبہ القاہرہ، مصر، صفحہ ۱۲۰)

مگر کائنات کے قلوب آج بھی عقیدت سے ان کے سامنے خمیدہ ہیں۔

بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش
کہ وہ اسلام کا کعبہ ہے یہ ایمان کا کعبہ

(احمد یار خاں نعیمی، مفتی، دیوان سالک، نعیمی کتب خانہ گجرات، صفحہ ۳۶)

کعبہ میں پیدا ہونے والا یہ بچہ وہ تھا جو بعد میں سرخیل اولیاء اور اہل تصوف کا پیشوا بنا۔ جسے کائنات آج ابوالحسن حیدر کرار علی المرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ الکریم) کے نام سے یاد کرتی ہے۔

تاریخ ولادت

آپ کی ولادت باسعادت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال پہلے رجب المرجب کے مہینے میں ہوئی۔ علامہ مومن شبلنجی لکھتے ہیں: ولد رضی اللہ تعالٰی عنہ بمکة داخل البیت الحرام علٰی قولٍ یوم الجمعة ثالث عشر رجب الحرام سنة ثلاثین من عام الفیل قبل الھجرة بثلاث وعشرین سنة ولم یولد فی البیت الحرام قبلهٗ احد سواہ ۔

(نورالابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، صفحہ ۷۶)

ایک روایت کے مطابق آپ بیت اللہ کے اندر جمعہ کے دن ۱۳ رجب شریف ۳۰ عام الفیل (چھٹی صدی عیسوی) ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیئس سال پہلے پیدا ہوئے۔

آپ سے پہلے کسی شخص کو کعبہ میں پیدا ہونے کی سعادت نہیں ملی۔

گھٹی

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نومولود کو ''علی'' کے نام سے موسوم فرمایا اور اپنے لعاب دہن کی گھٹی سے نوازا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بیان کرتی ہیں۔

لما ولدته سماہ صلی اللہ علیه وسلم علیا وبصق فی فیه ثم انهٗ القمه لسانهٗ فما زال یمصهٗ حتی نام

(السیرۃ النبویہ جلد ا، صفحہ ۱۸۶)

جب میرے اس بچے کی ولادت ہوئی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "علی" رکھا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اپنی زبان مبارک نومولود کے منہ میں ڈالی جسے چوستے چوستے وہ سو گیا۔

حضرت فاطمہ بنت اسد کا کہنا ہے کہ اگلے دن دودھ پلانے والی دائی کا انتظام کیا گیا مگر علی رضی اللہ عنہ نے اس کا اور کسی بھی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا۔ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان چوسائی تو علی رضی اللہ عنہ سکون سے سو گئے' پھر ایک عرصہ تک یہی معمول رہا۔ (ایضاً)

کفالت و تربیت

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر اللہ تعالیٰ جل وعلا کا خصوصی انعام تھا کہ انہیں بچپن ہی سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش رحمت وشفقت میں پرورش اور تربیت کی سعادت میسر آئی۔ اس کا ظاہری سبب یوں بنا کہ قریش قحط سالی کی وجہ سے سخت تنگ دستی کا شکار تھے۔ ابو طالب چونکہ کثیر العیال تھے' ظاہر ہے انہیں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خوشحال تھے مشورہ دیا کہ ہمیں ابو طالب کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جعفر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔

(ابن ہشام' عبدالملک' امام' سیرۃ النبی' ازہر' مصر' جلد ا' صفحہ ۱۵۶/ محمد بن عبدالباقی امام' شرح المواہب زرقانی مصر جلد ا' صفحہ ۲۴۱)

یوں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے بچپن سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک کم وبیش تیس سال کا عرصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ومعیت میں رہنے کا شرف نصیب ہوا۔

حسب ونسب

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق قریش مکہ کے ممتاز خاندان بنی ہاشم سے ہے۔ حرم کعبہ کی خدمات' زم زم پلانے کے انتظامات اور اس کی نگرانی کے علاوہ حجاج کی رہنمائی اور راحت رسانی بھی اس خاندان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور بعثت مبارک نے اس خاندان کو چار دانگ عالم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معزز وممتاز بنا دیا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نجیب الطرفین ہاشمی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔

(حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' معجم کبیر طبرانی' مطبعہ الزہراء الحدیثیہ' موصل' جلد ا' صفحہ ۹۲)

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو خاندانی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قرب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد' جناب ابوطالب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام عبد مناف ہے۔ بعض نے ان کا نام عمران بھی لکھا ہے لیکن یہ اپنی کنیت ابوطالب کے ساتھ مشہور ہیں۔ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس بڑے تھے۔ جناب ابوطالب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں سگے بھائی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت میں تھے ان کا وصال ہوا تو حسب وصیت یہ سعادت جناب ابوطالب کے حصہ میں آئی۔

(حافظ ابن حجر الاصابہ فی تمیز الصحابہ تجاریہ کبریٰ مصر' جلد ۴' صفحہ ۱۱۵)

انہوں نے نہایت شفقت ومحبت سے کفالت کی ذمہ داری انجام دی۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے کے بعد کفار کی تمام تر سازشوں مزاحمتوں اور دھمکیوں کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شفیق چچا نے عمر بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و حفاظت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس برس بعد (اور ہجرت مدینہ سے تین سال قبل) جناب ابوطالب کا انتقال ہوا اسی سال ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصال فرمایا۔

(ابن کثیر دمشقی حافظ البدایہ والنہایہ مکتبہ المعارف بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۲۷)

ان پے در پے صدمات کی وجہ سے جانِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت غمگین ہوئے۔ اسی وجہ سے اس سال کو عام الحزن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم وہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جو ایک ہاشمی کے عقد میں آئیں اور ان کے ہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں ہاشمی صاحبزادے کا تولد ہوا۔ امام طبرانی لکھتے ہیں:

انها اول هاشمية ولدت لهاشمي

(معجم کبیر طبرانی جلد ۱ صفحہ ۹۲)

فاطمہ بنت اسد ہاشمی خاندان کی پہلی خاتون ہیں جن کے بطن سے ایک ہاشمی پیدا ہوا۔ یہ وہ خوش بخت خاتون ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں قرار دیا۔ انہیں اسلام اور ہجرت مدینہ کا شرف بھی نصیب ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا وصال ہوا تو رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا: یرحمك الله یا امی بعد امی اے فاطمہ بنت اسد! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ میری ماں کے بعد

آپ میری ماں ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں تبرکاً اپنا کرتہ عنایت فرمایا۔ قبر کی تیاری کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت عمر بن خطاب اور اپنے غلام اسود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو حکم دیا۔ انہوں نے کھدائی شروع کی، جب لحد بنانے کا مرحلہ آیا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے مٹی نکال کر لحد کو درست فرمایا۔

(سمہودی، نور الدین علی بن احمد، وفاء الوفاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، جلد ۳، صفحہ ۸۹۸-۹)

دعا بوسیلہ انبیاء

حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر تیار ہو چکی تو آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں لیٹ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے: اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے، موت اور زندگی عطا کرنے والا وہی ہے۔

اللهم اغفر لامی فاطمة بنت اسد وسع مدخلها بحق نبیك والانبياء الذين من قبلی فانك ارحم الرّحمين .

اے اللہ! میرے اور مجھ سے پہلے نبیوں کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو حد نگاہ تک فراخ کر دے، بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مقدس سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اس خاتون کے بارے میں جو کرم نوازی فرمائی ہے، ایسا معاملہ کسی اور کے ساتھ کبھی نہیں فرمایا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری والدہ کے بعد یہی میری ماں تھیں۔ ابوطالب جب دعوت کرتے اور گھر کے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی شریک کرتے تو یہ خاتون میرے حصے کا کچھ کھانا بچا کر رکھ لیتیں جسے میں پھر کسی وقت کھا

لیا کرتا۔

وان جبریل اخبرنی عن ربی انها من اهل الجنة واخبرنی جبریل ان الله تعالٰی امر سبعین الفاً من الملائكة يصلون عليها ۔

(شیخ علاؤ الدین علی المتقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، جلد ۷، صفحہ ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے جبریل علیہ السلام کے ذریعے خبر دی ہے کہ یہ خاتون جنتی ہے نیز جبریل امین علیہ السلام نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو حکم فرمایا ہے کہ فاطمہ بنت اسد پر درود بھیجیں (یعنی ان کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کریں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیروں کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھائی پھر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی معاونت سے انہیں قبر میں اتارا۔ (وفاء الوفاء، جلد ۳، صفحہ ۸۹۸-۹)

بھائی، بہن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چھ بہن بھائی تھے۔

۱- طالب
۲- حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳- حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵- ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۶- جمانہ رضی اللہ عنہا

طالب!

سب سے بڑے بھائی کا نام طالب تھا۔ اسی مناسبت سے ان کے والد کی کنیت ابو طالب ٹھہری۔ طالب کو اسلام لانے کی توفیق نہ ہوسکی، یہ جنگ بدر کے موقع پر لشکر کفار

میں شامل تھا اور وہیں مارا گیا۔

(امام حسین بن محمد الدیار البکری' تاریخ الخمیس فی احوال نفس النفیس بیروت' جلد ا' صفحہ ۱۹۴)

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دوسرے بھائی کا نام عقیل اور کنیت ابویزید تھی۔ یہ صلح حدیبیہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور غزوۂ موتہ میں شمولیت کی۔ آپ قریش کے احوال وانساب کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان مسائل میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ بڑے حاضر جواب تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دورِ خلافت میں امیر معاویہ کے پاس چلے گئے تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ اگر میں بہتر نہ ہوتا تو عقیل اپنے بھائی علی کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آتے؟ آپ نے فوراً جواب دیا:

اخی خیر لی فی دینی وانت خیر لی فی دنیای

دینی حوالے سے میرے بھائی علی میرے لیے بہتر ہیں جبکہ دنیوی مفاد کے اعتبار سے آپ بہتر ہیں۔ میں دنیا کو ترجیح دے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ خدا کرے میری عاقبت بالخیر ہو۔ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ (ایضاً)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تیسرے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور القاب الطیار اور ذوالجناحین ہیں۔ یہ سیرت وصورت کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ انہیں غرباء ومساکین سے بہت انس تھا اور ان کی خدمت وامداد کرتے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوالمساکین رکھی۔ آپ قدیم الاسلام ہیں۔ پچیس یا اکتیس افراد کے بعد دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ (الاحباب' جلد ا' صفحہ ۲۳۹)

قریش مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں نجاشی کے دربار میں اسلام کی حقانیت پر نہایت اعلیٰ تقریر کی جس سے متاثر ہو کر شاہ حبشہ نجاشی اور اس کے درباریوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعدازاں حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ نے تقریباً چالیس سال کی عمر میں جمادی الاولیٰ ۸ ھ غزوہ موتہ کے موقع پر جام شہادت نوش کیا (اصابہ)۔ اس جنگ میں آپ بڑے جگرے سے لڑے' دشمنوں کی صفوں کے اندر گھس گئے۔ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے اور جسم اقدس پر نوے زخم آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں انہیں دونوں بازوؤں کے بدلے دو پر عطا فرمائے ہیں جن سے وہ فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ اسی لیے آپ کو ذوالجناحین اور الطیار کے القلب سے نوازا۔ (الاصابہ جلد ا صفحہ ۲۴۰)

عجیب اتفاق:

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم چاروں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اسی طرح آپ کی رفیقۂ حیات خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بڑے بھائی طالب کی ولادت کے دس برس بعد دوسرے بھائی عقیل پیدا ہوئے' پھر عقیل کی ولادت کے دس برس بعد حضرت جعفر طیارہ پیدا ہوئے' پھر ان کی ولادت کے ٹھیک دس سال بعد حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (بدایہ ۲۱۳)

ام ہانی:

حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دو حقیقی بہنیں تھیں:

۱- ام ہانی ۲- جمانہ

ام ہانی کا نام فاختہ تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان کے گھر چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں اور ان کی سفارش پر ان کے سسرالی رشتہ داروں کو امان دی۔ (تاریخ خمیس جلد ا ص ۱۶۳)

جمانہ:

آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ آپ کا نکاح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا۔ جمانہ کے اسلام کے بارے میں اختلافات ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ آپ مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں۔ (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۶۴)

نام، کنیت، القاب

آپ کا نام نامی علی بن ابی طالب، لقب مرتضیٰ، اسد اللہ حیدر کرار اور امیر المؤمنین ہے۔

علامہ حسین بن محمد دیار بکری نے احادیث مبارکہ کی رو سے یہ القاب تحریر کئے ہیں۔

بیضۃ البلدہ (علاقہ کے بے تاج بادشاہ) امین، شریف، ہادی، مہدی، ذی اذن واعیہ (علم وحکمت کو محفوظ رکھنے والے) اور یعسوب الامۃ (امت کے سردار) (تاریخ خمیس ۲۷۵)

خصوصی القاب:

شب معراج اللہ تعالیٰ جل وعلا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان القاب سے یاد فرمایا:

سید المسلمین ولی المتقین، قائد الغر المحجلین

(محب طبری ریاض النضرۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۷)

''مسلمان کے سردار مومنوں کے مددگار اور ایسی امت کے قائل کہ جن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں قیامت کے دن چمکتے ہوں گے۔'' آپ کی کنیت ابوالحسن، ابوالسبطین (دو

شہزادوں کے باپ) اور ابوالریحانین (دو نبوی پھولوں کے باپ امام حسن اور امام حسین کے والد ماجد) اور پسندیدہ کنیت ابوتراب تھی۔ جب آپ کو کنیت سے پکارا جاتا تو بہت مسرور و شادماں ہوتے کیونکہ یہ انوکھا خطاب آپ کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرحمت ہوا تھا چنانچہ مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سویا ہوا پایا۔ اس وقت آپ کے کندھے سے چادر سرکی ہوتی تھی اور کندھے خاک آلود تھے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کے کندھوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا:

قم اباتراب قم ابا تراب (بخاری جلد ا صفحہ ۶۳)

''اے ابوتراب! مٹی والے ابوتراب! اٹھیے''

کرم اللہ وجہہ

آپ کے اسم گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ (اللہ تعالیٰ آپ کا چہرہ مکرم کرے اور آپ کو (مزید) عزت بخشے) کے دعائیہ الفاظ لکھے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ عمر بھر کبھی کسی بت کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوئے۔ جب والدہ کے شکم اطہر میں تھے تو انہیں بھی کبھی بت کے آگے نہ جھکنے دیا۔ علامہ برخوردار ملتانی لکھتے ہیں:

ولذلك يقال عند ذكره كرم الله وجهه (حاشیہ نبراس صفحہ ۵۱۵)

''چونکہ آپ نے اپنی پیشانی کسی بت کے آگے نہیں جھکائی اس وجہ سے آپ کو یہ دعا دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ (اور آپ کی ذات) کو مزید شرف و تکریم سے نوازے۔''

کرم اللہ وجہہ کہنے کا ایک مقصد بعض اساتذہ کی زبانی یہ سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھنے والے خوارج اور دیگر لوگ آپ کا ذکر برے الفاظ میں کرتے اور (خاک بدہن قائل) یہ کہتے سود اللہ وجہہ اس کا چہرہ سیاہ ہوا) تو جواباً اہل سنت نے آپ کے لیے کرم اللہ وجہہ کے الفاظ کو رواج دیا۔

حلیہ

آپ کا رنگ گندمی سفید' آنکھیں خوبصورت بڑی بڑی روشن اور سیاہ' داڑھی مبارک گھنی' بدن فربہ' بازو پر گوشت' جسم گھٹا ہوا' قد قدرے پست اور چاندی کی طرح چمکتی ہوئی صراحی دار گردن تھی۔ چہرہ کیا تھا گویا چودھویں کا چاند۔ (نور الابصار' صفحہ ۷۷)

قبولِ اسلام

حافظ بن اثیر اور حافظ ابن کثیر' حضرت کرم اللہ وجہہ الکریم کے قبول اسلام کے بارے میں ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

جس دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا اور جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اس سے اگلے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی وقت آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا وہ دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے' اس کی عبادت کرنے اور لات وعزیٰ کے انکار کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بات اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنی' جب تک ابو طالب سے اس بارے میں مشورہ نہ کرلوں فیصلہ نہیں کرسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلانیہ دعوت اسلام سے پہلے راز کے فاش ہونے کو ناپسند فرماتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے علی! اگر ایمان نہیں لانا چاہتے تو اس امر کو مخفی رکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رات توقف کیا حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔ صبح سویرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کل کس چیز کی دعوت دی تھی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ واحد ہے' کوئی اس کا شریک نہیں اور لات وعزیٰ وغیرہ بتوں کا انکار کرو اور اللہ کے ہر شریک سے بیزاری اور جراَت کا اظہار کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم بجالاتے ہوئے اسلام قبول کرلیا اور کئی روز تک ابو طالب سے چھپ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشاء اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۱۷)

ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے والد نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ پوچھا: بیٹے یہ کون سا دین ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابا جان! میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تصدیق کرتے ہوئے آپ کی اتباع اور معیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتا ہوں۔ ابو طالب نے کہا:

اما انه لم يدعك الا الخير فالزمه (سیرت ابن ہشام)

''وہ تمہیں اچھی بات کی طرف ہی لاتے ہیں لہٰذا اس پر قائم رہو۔''

سب سے پہلے اسلام کس نے قبول کیا؟

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پیر کے روز ہوئی اور میں نے اگلے دن منگل کو اسلام قبول کیا۔ (تاریخ خلفاء صفحہ ۱۶۶)

اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی۔ بعض نے اس سے کم وبیش عمر کا ذکر کیا ہے۔ (تاریخ خلفاء صفحہ ۱۶۶)

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قدیم الاسلام ہونے کا تذکرہ ان اشعار میں کیا ہے۔

محمد النبی اخی وصھری

وحمزۃ سیّد الشھداء عمی

وجعفرن الذی یضحی ویمسی

یطیر مع الملائکۃ وعرسی

وبنت محمد سکنی وعرسی

مشوب لحمھا بدمی ولحمی

و سبطا احمد ابنای منھا

فمن منکم لہ سھم کسھمی

سبقتکم الی الاسلام طرا

صغیرا ما بلغت اوان حلمی

(زرقانی شریف جلد ا صفحہ ۲۴۱)

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے (چچازاد) بھائی اور سسر ہیں جبکہ سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ میرے چچا جان ہیں۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو صبح و شام فرشتوں کے ساتھ اڑ کر سیر کرتے رہتے ہیں میرے ماں جائے بھائی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ میری اہلیہ ہیں اور میرا سکھ چین ہیں، ہم دو قالب یک جان ہیں۔

ہمارے دونوں صاحبزادے (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ بھلا تم میں کون ہے جسے ان اعزازات اور کرامات میں اس قدر حصہ ملا ہو۔ میں نے بچپن ہی میں اسلام قبول کر کے تم سب سے سبقت حاصل کر لی تھی جبکہ میں ابھی اپنے سن بلوغت کو نہ پہنچا تھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

مسلم اول شہہ مرداں علی

عشق را سرمایۂ ایماں علی

سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ اس سلسلے میں متعدد احادیث ہیں جن میں تین نام بہت نمایاں ہیں۔

۱- سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

۲- سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۳- سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سراج الامۃ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تمام روایات میں تطبیق کرتے ہوئے نہایت قرین قیاس اور مبنی بر انصاف بات کہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (تاریخ الخلفاء، صفحہ ۳۴)

اشاعت اسلام

حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں رہتے ہوئے بچپن ہی سے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں اپنی کم سنی کے باوجود قدم قدم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

دعوت اسلام

جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت اسلام دینے کا حکم دیا اور یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (سورۃ شعراء ۲۱۴)

''اور (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو کھانے پر بلایا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کوئی چودہ برس ہو گی۔ کم سنی کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا انتظام والصرام آپ رضی اللہ عنہ کے ذمے لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک صاع (تقریباً چار کلو) غلہ' بکری کی ایک دستی اور دودھ کا پیالہ مہیا کیا۔ دعوت میں خاندان سے کم وبیش چالیس افراد شامل ہوئے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب' حمزہ' عباس اور ابولہب شامل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ٹکڑا دیا اور دندان مبارک سے اسے چیر کر اس پیالے میں رکھ دیا اور فرمایا:

اللہ کا نام لے کر شروع کرو چنانچہ اس ایک پیالے کے گوشت سے سب سیر ہو گئے' گوشت بھی بچ رہا حالانکہ وہ صرف ایک شخص کے لیے کافی تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ پیالے میں موجود دودھ صرف ایک آدمی آسانی سے پی سکتا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے 40 افراد اسی ایک پیالہ سے سیر ہو گئے۔

طعام سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمانا چاہا تو ابولہب نے کہا:

لوگو! اٹھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج تمہارے کھانے پر جادو کر دیا ہے۔ ایسا جادو تو کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ سنتے ہی لوگ چلے گئے۔

اگلے روز پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی طرح کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ سب لوگ جمع ہوئے۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا وآخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ (خصائص کبریٰ)

دوسری روایت میں ہے آپ نے مزید فرمایا:

''بتاؤ اس مشن میں کون میرا دوست وبازو بنتا ہے''

تمام مجلس میں سناٹا چھا گیا۔ صرف حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: گو میں سب سے کم عمر ہوں' مجھے آشوب چشم ہے' میری ٹانگیں کمزور اور پتلی ہیں تاہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاون ومددگار رہوں گا۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)

بت شکنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام تر مزاحمتوں کے باوجود دعوت واشاعتِ اسلام میں کوشاں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کی بت پرستی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ جس کا عملی مظاہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑ کر فرمایا۔ بت شکنی کی اس مہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون تھے۔ چنانچہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھا۔ ہم گھر سے نکل کر کعبہ کے دروازے پر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے کندھے پر سوار ہوئے پھر میری کمزوری محسوس فرماتے ہوئے نیچے اتر آئے اور مجھے اپنے کندھے پر سوار کرلیا۔

یخیل الی انی لو شئت لنلت افق السماء

''مجھے ایسا لگا کہ اتنا اونچا ہو رہا ہوں کہ چاہوں تو آسمان کے کنارے کو چھولوں۔''

اس طرح میں کعبہ کی چھت تک پہنچ گیا اور وہاں موجود پیتل یا تانبے کے بنے ہوئے بت کو اکھیڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے نیچے گرادو۔ میں نے گرایا تو وہ شیشے کی طرح چکنا چور ہو گیا۔ پھر ہم دونوں (میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تیز تیز چل کر چھپتے ہوئے گھر آ گئے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔'' (سیرت حلبیہ جلد ۳' صفحہ ۸۶)

حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کا ہے۔

اس طرح کا ایک واقعہ فتح مکہ کے دن پیش آیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔ شیخ محقق قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کندھے پر سوار ہو کر (ہبل نامی) بت اتار دیں۔ فرمایا: علی! ''تو بارِ نبوت برداشت کرنے کا متحمل نہیں۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تعمیل حکم بجالائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ شانۂ اقدس پر سوار تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

علی! بتاؤ کیا محسوس کر رہے ہو؟ عرض کی:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چناں می بینم کہ حجب مکشوف شدہ گویا سر من بساق عرش رسیدہ و بہر چہ دست درازمی کنم بدست می آید۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تمام حجابات اٹھ چکے ہیں گویا میرا سر عرش تک پہنچ چکا ہے اور سب چیزیں پکڑ سکتا ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو کتنا خوش بخت ہے کہ اس وقت حق کے کام میں مصروف ہے اور میں کس اچھے حال میں ہوں کہ میں نے بارِ حق اٹھا رکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بت کو گرا چکے تو ادبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے فوراً نیچے کود پڑے اور تبسم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وجہ پوچھی تو عرض کی:

علی! تجھے چوٹ کیوں کر آتی جب کہ اٹھانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیچے اتارنے والے جبریل علیہ السلام تھے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)

ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا تو قریش مکہ نے سخت مزاحمت کی۔ کمزور صحابہ چھپ کر عبادت کرتے اور اپنا ایمان مخفی رکھتے۔ کمزور کی نصرت وحمایت حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال رہی اور حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ جوں جوں اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا کفار کی مخالفت بھی اپنے شباب پر پہنچتی چلی گئی۔ اس اثناء میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بعدازاں جب بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ

کے موقع پر اہل مدینہ منورہ بڑے قبیلوں اوس وخزرج نے اسلام قبول کیا تو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ مکہ مکرمہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے یا وہ مسلمان جو انتہائی ضعیف تھے یا کفار کے نرغے میں محبوس تھے۔ (ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۸۷)

مولانا علی بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر:

دار الندوہ میں قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اتفاق رائے سے سازش تیار کی۔ جبریئل امین علیہ السلام نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر کفار کے منصوبے سے آگاہ کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے مکان پر قیام نہ فرمائیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا اور فرمایا: ”تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سبز چادر جس میں سویا کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اوڑھا دی۔ مکان کے دروازے پر کفار پوری طرح تیاری کے ساتھ مستعد ہو کر کھڑے تھے۔ ان کا ارادہ یکبارگی حملہ کرنے کا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور ان کفار کے سروں پر پھینکی اور یٰس کی ابتدائی نو آیات کی تلاوت کرتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ آخری آیت میں کفار کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (سورۂ یٰس آیت ۹)

”پھر ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لے جانے کے بعد کسی نے ان کفار سے پوچھا: کس کا انتظار کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس نے کہا: نامرادو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہارے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے باہر نکل کر اپنے کام پر روانہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے

اندر جھانک کر (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر چادر تانے سو رہے تھے دیکھا تو یہی سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے ہیں اور مطمئن ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے۔ انہیں دیکھا تو کفار خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹ گئے۔ (ابن ہشام)

جاں نثاری:

شب ہجرت بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لیٹنا خود موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپ رضی اللہ عنہ نے کسی خطرے کی پرواہ نہ کی اور تلواروں کے سائے میں بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر میٹھی نیند کے مزے لیتے رہے اور یہ ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے انتہا درجہ کی عقیدت و محبت اور جاں نثاری کا جذبہ تھا۔ انہیں اپنی جان کی پرواہ نہ تھی۔ تعمیل حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خوشنودیٔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کا مقصد حیات اور مطمح نظر تھا۔

شب ہجرت یہی صورتحال سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی کہ آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و آسائش کا خیال رکھا اور آپ حفاظت کے لیے مستعد رہے۔

فرضی اللہ تعالٰی عنهما رحمهما اللہ تعالٰی رحمة واسعة
وجزاهما اللہ تعالٰی عن الاسلام والمسلمین خیرا الجزاء

مدینہ منورہ روانگی:

ابن رافع بیان کرتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفار کی امانتیں واپس لوٹانے کے لیے مکہ میں رکنے کا حکم دیا۔ (کفار مخالفت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھتے تھے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم امین کہلاتے)۔

چنانچہ آپ تین دن مکہ میں ٹھہرے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل گئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو فرمایا:

علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ پاؤں کے ورم اور زخموں کی وجہ سے ان میں چلنے کی سکت نہیں چنانچہ خود تشریف لے گئے اور انہیں گلے سے لگایا۔ ان کے قدموں کا ورم اور ان سے رستا ہوا خون دیکھ کر چشمان مقدس سے اشک رواں ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر لعاب دہن لگایا۔ دست شفقت پھیرا اور دعائے صحت فرمائی تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں بالکل ٹھیک ہو گئے اور پھر زندگی بھر دوبارہ پاؤں کو تکلیف نہیں ہوئی۔ (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۱۹)

سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا سے نکاح

حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ جگر گوشہ مصطفیٰ سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء کے ساتھ آپ کا نکاح اللہ رب اللعالمین جل وعلیٰ کے حکم سے ہوا۔

سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق اور پھر سیدنا عمر فاروق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت سیدہ کے نکاح کی درخواست پیش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروں کے تفاوت کے باعث منظور نہ فرمائی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں آپ حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔ (نضرہ) ادھر شیخین کریمین ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح کی ترغیب دی۔ (ریاض النضرہ جلد ۳)

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام نکاح کے بارے میں عرض کرنا

چاہا تو سوچا کیسے بات کروں۔ جبکہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور محبت کا خیال کیا تو حوصلہ ہوا اور میں نے پیغام دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا:

میں نے فلاں موقع پر تمہیں جو زرہ دی تھی وہ کہاں ہے؟

عرض کیا: میرے پاس ہے۔ فرمایا:

فاطمہ کو (بطور مہر) وہی زرہ دے دو۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ چار سو اسی درہم میں زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فروخت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رقم ادا کرنے کے بعد زرہ آپ کو واپس کر دی۔ حضرت مولا علی رقم اور زرہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ صورتحال عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو (اس اعانت و ہمدردی) کے بدلے ڈھیروں دعائیں دیں۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خوشبو اور جہیز کا سامان خریدنے کا حکم دیا۔ (زرقانی شریف جلد ۲)

جہیز

سیّد عالم، رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری صاحبزادیوں کو رخصتی کے موقع پر جو جہیز عطا فرمایا اس کی تفصیل مسند امام احمد میں یوں ہے۔

ایک موٹی چادر، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے۔ (مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۶)

سیدہ سے نکاح بحکم خداوندی ہوا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بارے میں پیغام دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ابھی تک اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور قریش میں سے کئی دیگر حضرات نے درخواست پیش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ پیغام نکاح دیں کیونکہ وہ ہر لحاظ سے موزوں ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کیسے پیغام دوں جبکہ مجھ سے پہلے قریش کے زیادہ عزّ و شرف والے لوگ مقصد کو نہیں پا سکے۔ آخر کار انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درخواست پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد امرنی رَبِّیْ عزو جل بذٰلك (ریاض جلد ۲)

''اللہ تعالیٰ جل وعلا نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔''

اور یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح بحکم الٰہی انعقاد پذیر ہوا۔

تقریب نکاح

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی کچھ دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انس! جانتے ہو ابھی جبرئیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے کیا پیغام لائے ہیں؟

میں نے عرض کیا:

میرے ماں باپ فدا جبرئیل علیہ السلام کیا پیغام لائے تھے؟ فرمایا:

جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ ''فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا جائے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا جاؤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور اتنی ہی تعداد میں انصار کو بلا لاؤ۔ جب وہ (انصار ومہاجر صحابہ) حاضر ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثناء پر مبنی خطبہ پڑھایا جس میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

هو الذى خلق من الماء بشرا فجعله نسباً وصهرا و كان ربك قديرا (سورۃ الفرقان آیت نمبر ۵۴)

اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا' پھر اس کے لیے نسب اور سسرال (کا رشتہ) بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے۔

پھر فرمایا: ان الله امرنى ان ازوج فاطمة بنت خديجة من على بن ابى طالب .

"مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ بنت خدیجہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کروں۔"

اے لوگو! تم گواہ ہو' چار سو مثقال چاندی (حق مہر) کے عوض میں نے فاطمہ کو علی کے نکاح میں دے دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ضروری کام سے گئے ہوئے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھواروں کا ایک تھال منگوایا اور فرمایا: اسے چن لو۔ اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: اے علی! بحکم خداوندی میں نے فاطمہ کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں راضی ہوں۔

نکاح کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجا لائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اللہ تعالیٰ تم دونوں کو برکت عطا فرمائے۔ تمہاری کوشش کامیاب بنائے اور تمہیں پاکیزہ اولاد سے نوازے۔ (نور الابصار ۴۶)

نکاح میں چالیس ہزار ملائکہ کی شمولیت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! ابھی جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا نکاح فاطمہ سے کر دیا ہے۔ تیرے نکاح میں چالیس ہزار ملائکہ نے شرکت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت کے درخت طوبیٰ کو حکم دیا ہے کہ وہ (اس نکاح کی خوشی میں) یاقوت اور موتیوں کو نچھاور کرے۔ طوبیٰ نے حکم کی تعمیل کی' جنت کی حوروں نے ان لعل و جواہر کے طبق بھر لیے ہیں اور انہیں قیامت تک ایک دوسرے کو ہدیہ میں دیتی رہیں گی۔

(ریاض النضرہ جلد ۳' صفحہ ۱۴۶)

رخصتی:

رخصتی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کو مختصر جہیز (جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے) دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر نماز عشاء کے بعد ان کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پانی لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے پانی کا برتن پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا گھونٹ بھرا اور اس برتن میں کلی کی۔ پھر وہ متبرک پانی سیّدہ کے سر' سینہ اور کندھوں کے درمیان چھڑک دیا اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ ''اے اللہ! میں فاطمہ اور اس کی اولاد کو شرِ شیطان سے (محفوظ رکھنے کے لیے) تیری پناہ میں دیتا ہوں۔''

پھر اسی طرح حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو پانی لانے کا حکم دیا اور پانی میں کلی کر

کے ان کے جسم پر چھڑکا اور شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا دی۔ (ریاض النضرہ جلد ۳' صفحہ ۴)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور پانی علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما پر چھڑکا' پھر دعا فرمائی:

اللّٰھم بارك فیھما وبارك علیھما وبارك لھما فی نسلھما

(اسد الغابہ جلد ۵' صفحہ ۵۲۱)

''اے اللہ! ان میں برکت فرما' ان پر برکت فرما اور ان کی نسل میں برکت فرما۔''

ولیمہ:

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے رخصتی کے وقت ولیمہ کا ارادہ کیا۔ آپ کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ ایک جنگ بدر کے مال غنیمت سے اور دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائی تھی۔ آپ ولیمہ کے اخراجات کے لیے سناروں کے کام آنے والی ایک خوشبودار گھاس اذخر کو اپنی اونٹنی پر لاد کر اسے فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ نے اونٹوں کو ایک جگہ باندھا' ان دنوں شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حالت نشہ میں آئے اور اپنی تلوار سے اونٹنیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو انہیں بڑا دکھ ہوا اور آپ اشک بار ہو گئے۔ ادھر لوگوں کا ولیمہ کے لیے اصرار تھا چنانچہ حضرت سعد نے آپ کو ایک چھترا ہدیہ دیا۔ بعض انصار نے کچھ غلہ دیا اور وہ زرہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خریدنے کے بعد آپ ہی کو ہدیہ کر دی تھی اسے ایک یہودی کے پاس گروی رکھ کر کچھ قرض لیا اور آٹے اور کھجور کا حلوہ' شوربا' جو اور پنیر سے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ اس زمانے کا بہترین ولیمہ تھا۔ (زرقانی شریف جلد ۲' صفحہ ۷)

نکاح کب ہوا؟

سیدہ کے ساتھ آپ کے نکاح کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد ہوا مگر یہ بات خلاف تحقیق ہے کیونکہ صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ولیمہ کے وقت موجود تھے جبکہ جنگ احد میں آپ شہید ہو گئے تھے اور جنگ احد بالاتفاق شوال ۳ھ میں ہوئی۔

(زرقانی شریف جلد ۲ صفحہ ۲)

لہٰذا یہی امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نکاح جنگ احد سے پہلے ہوا۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ کا نکاح صفر ۲ ہجری میں ہوا اور ذوالحجہ ۲ ہجری میں رخصتی ہوئی۔ نکاح کے وقت سیدہ کی عمر مبارک انیس سال ایک ماہ اور پندرہ دن تھی جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوبیس برس اور ایک ماہ کے تھے۔

مناقب وفضائل:

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل ومناقب میں قرآن کریم کی متعدد آیات کے علاوہ احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے اقوال کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جسے حیطۂ تحریر میں لانا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے مگر اختصار کے پیش نظر چند آیات اور احادیث مبارکہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے آئینے میں

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس قدر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں کسی اور کے بارے میں نہیں اتریں۔

نزلت في علي ثلاث مائة آيات (تاریخ دمشق جلد ۱۸)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں قرآن کریم کی تین سو آیات نازل

ہوئی ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ احادیث کے آئینے میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومحامد میں بڑی کثرت سے احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن میں سے بعض پیش کی جا رہی ہیں۔

دیدار علی عبادت ہے:

حضرت عمران بن معین، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

النظر الٰی علیٍ عبادۃ (ابن عساکر جلد ۱۸، صفحہ ۷)

"علی کی زیارت عبادت ہے۔"

جن کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے نصیرؔ
وہ حدیث مصطفیٰ ﷺ کی رو سے ہیں مولا علی

میں تجھے دیکھا کروں

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوتی تو آپ اکثر ان کا چہرہ دیکھتے رہتے، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

یا بنیۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول النظر والٰی وجہ علی عبادۃ (تاریخ دمشق جلد ۱۸، صفحہ ۷)

"بیٹی عائشہ! (میں ان کا چہرہ کیوں نہ تکوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یہ فرمان سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔"

جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

ذکرِ علی رضی اللہ عنہ عبادت:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذكر علي عبادة (تاریخ دمشق جلد ۱۸)

''علی کا ذکر عبادت ہے۔''

دید علی عبادت ذکر علی عبادت
کیا شان ہے علی کی کیا مرتضیٰ علی ہے

مولیٰ علی کا محبّ خدا کا محبّ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

محبك محبي ومحبي محب الله ومبغضك مبغضي ومبغضي مبغض الله (ایضاً، جلد ۱۷، صفحہ ۱۲۳)

''تیرا محبّ (محبت رکھنے والا) میرا محبّ ہے، میرا محبّ اللہ تعالیٰ کا محبّ ہے اور تجھ سے عداوت و بغض رکھنے والا مجھ سے بغض رکھنے والا ہے اور مجھ سے بغض اللہ تعالیٰ سے بغض کے مترادف ہے۔''

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب عليا فقد احبني ومن احبني فقد احب الله ومن ابغض عليا فقد ابغضني ومن ابغضني فقد ابغض الله :

''جس نے علی کو دوست رکھا گویا اس نے مجھے دوست رکھا، جس نے مجھے دوست رکھا اس نے اللہ تعالیٰ کو دوست رکھا اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔''

نتیجہ ظاہر ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا محب خدا کا محب اور آپ کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔

مہر علی ہے حب نبی حب نبی ہے مہر علی
لحمک لحمی جسمک جسمی فرق نہیں ما بین پیا

کمال قرابت:

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولا علی سے کمال قرابت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

انت منی و انا منك (صحیح بخاری، مناقب علی بن ابی طالب)

دوسری روایت میں ہے:

علی منی و انا منه (محمد بن یزید ابن ماجہ، امام سنن ابن ماجہ)

علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علی منی بمنزلة راسی من جسدی

''علی کا میرے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسا میرے سر کا دھڑ کے ساتھ۔''

حضرت ابن عباس کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا:

ان علیا لحمه لحمی دمه دمی وهو من بمنزلة هارون من موسٰی غیر انه لا نبی بغدی

''علی کا گوشت میرا گوشت ہے، اس کا خون میرا خون ہے، اس کا مرتبہ میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

مضمون لحمک سے یہ راز ہم نے جانا
خود شانِ مصطفیٰ صل علیٰ علی ہے

مولا علی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی پر جب غدیر خم کے درمیان جحفہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اٹھا کر صحابہ کرام سے استفسار فرمایا:

''کیا تمام ایماندار مجھے اپنی جانوں سے زیادہ عزیز نہیں سمجھتے؟''

صحابہ نے عرض کی! کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہر مومن مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب سمجھتا ہے۔

صحابہ نے پھر عرض کی کیوں نہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من کنتُ مولاہ فعلی مولاہ

''جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کے محبوب ہیں۔''

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں یوں دعا کی:

اللّٰھم وال من والاہ وعاد مَن عادہ

''اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔''

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''اے علی! آپ کو تمام ایمانداروں کا مولیٰ (محبوب اور ناصر و مددگار) بننے پر مبارک ہو۔'' (مشکوۃ المصابیح، صفحہ ۵۶۵)

علی نصیر وعلی ناصر وعلی محکم

مقام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چھ روز بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضری کا ارادہ کیا تو حضرت مولا علی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پہلے آپ آگے بڑھیے۔''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں ایسے شخص سے آگے کیسے بڑھوں جس کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک علی کا وہی مقام ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا مقام و مرتبہ ہے۔''

سیدنا علی المرتضیٰ نے کہا:

میں بھی ایسے شخص سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے میں نے یہ فرمان سنا:

مامنکم من احد الا وقد کذبنی غیر ابی بکر وما منکم من احد یصبح الا علی بابہ ظلمۃ الا باب ابی بکر۔

''ابوبکر کے سوا ہر شخص نے میری تکذیب کی' تم میں سے ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے تو اس کے (دل کے) دروازے پر ظلمت وتاریکی ہوتی ہے مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر تاریکی نہیں ہوتی۔''

اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کیا واقعی آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! چنانچہ حضرت ابوبکر نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور دونوں اکٹھے قبر انور پر حاضر ہوئے۔

مظہر کمالات انبیاء علیہم السلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی فھمہ والی

ابراھیم فی حلمہٖ والٰی یحییٰ بن زکریا فی زھدہٖ والٰی موسی فی بطشہٖ فلینظرہ الٰی علی بن ابی طالب

(ایضاً جلد۳، صفحہ۱۹۶، تاریخ دمشق، جلد۱۷، صفحہ۳۷۸)

''جو شخص آدم علیہ السلام کو ان کے علم میں، نوح علیہ السلام کو ان کی سمجھ میں، ابراہیم علیہ السلام کو ان کی حلم میں، یحییٰ علیہ السلام کو ان کے زہد میں، موسیٰ علیہ السلام کو ان کی گرفت میں دیکھنا چاہتا ہو، وہ علی بن ابی طالب کو دیکھ لے۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

و الٰی یوسف فی جمالہٖ (الریاض النضرۃ، جلد۳، صفحہ۱۹۶)

''یعنی جو یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا نظارہ کرنا چاہے وہ علی کی زیارت کرے۔''

روح مولا علی ملک الموت کے واسطے کے بغیر قبض ہوئی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں نے نور کے تخت پر ایک فرشتہ دیکھا جس کا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے اور تمام مخلوق اس کی نگاہوں کے سامنے ہے، اس کا ہاتھ مشرق و مغرب ہر جگہ پہنچ سکتا تھا۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھے بتایا یہ ملک الموت ہے۔ ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا: آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی کا کیا حال ہے؟

میں نے پوچھا تو علی کو جانتا ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کے سوا تمام مخلوق کی روح قبض کرنے کا کام میرے سپرد فرمایا ہے لیکن آپ کی اور علی کی روح میرے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ خود حسب مشیت قبض فرمائے گا۔

محبوبِ محبوبِ خدا

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا:

ای الناس کان احب الٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت فاطمة فقیل من الرجال قالت زوجھا ۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟

فرمایا: فاطمہ سے۔ پھر پوچھا گیا مردوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا؟

فرمایا: فاطمۃ الزہرا کے خاوند علی المرتضیٰ۔

اے اللہ! علی کو دیکھنے سے پہلے موت نہ آئے

ام عطیہ روایت کرتی ہیں ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر روانہ کیا جس میں حضرت علی مولا بھی تھے۔ میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے:

اللّٰھم لا تمتنی حتٰی ترینی علیا (ایضاً مناقب علی جلد ۲ صفحہ ۲۱۵)

”اے اللہ! علی کا چہرہ دیکھنے سے پہلے مجھ پر موت طاری نہ کرنا۔“

علی کی وجہ سے دو گروہوں کی ہلاکت

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”اے علی! تیری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے۔ یہودیوں نے ان سے ایسی دشمنی کی کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھا اور نصاریٰ نے ان سے اس درجہ محبت کی کہ ان کو ایسے مرتبے پر پہنچا دیا جس کے وہ لائق نہ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

الا وانہ یھلك فی اثنان محب مفرط یفرطی بغالین فی ومبغض مفرط یحملہ شافی ان یبھتنی ۔

”آگاہ ہو جاؤ! میری وجہ سے دو گروہ ہلاک ہو جائیں گے ایک گروہ میری محبت

میں حد سے تجاوز کر جائے گا اور دوسرا میری ذات کی طرف ان باتوں کو منسوب کرے گا جو مجھ میں نہیں اور اس حد تک عداوت و دشمنی رکھے گا کہ مجھ پر بہتان باندھے گا۔"

راہِ اعتدال

الحمدللہ! اہل سنت و جماعت راہ اعتدال پر گامزن ہیں' نہ تو روافض کی طرح آپ کی محبت میں ایسے گم گشتہ ہیں کہ محبت کی آڑ لے کر شیخین کریمین اور دیگر صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کے نشتر چلائیں۔

(حالانکہ مولا علی خود فرماتے ہیں)

لا یجتمع حبی وبغض ابی بکر و عمر فی قلب مومن .

"میری محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔"

اور نہ ہی خوارج کی مانند مولا علی سے بغض و کینہ رکھتے ہیں بلکہ دل و جان سے آپ کے غلام اور آپ کے ہر قول و فعل کو اپنے لیے مشعلِ راہ گردانتے ہیں۔

ناصبی را بغض تو سوئے جہنم رہ نمود
رافضی از حب کاذب درسقر درآمدہ
من زحق می خواہم اے خورشید حق آں بہر تو
کز فیائش عالم ایماں منور آمدہ

حضرت علی کا مسلمانوں پر حق

حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حق علی علی المسلمین حقی الوالد علی الولد

"علی کا مسلمانوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا باپ کا بیٹے پر حق ہوتا ہے۔"

رشتۂ اخوت

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے پہل ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف

لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب الوطن صحابہ کرام کی موانست اور دل جوئی کے لیے ان کا انصار مدینہ سے اسلامی مواخات اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین میں سے دو دو کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا تو حضرت علی بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کسی کا مجھے بھائی نہیں بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے علی! تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔''

دوسری روایت میں ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تیرا بھائی ہوں اور تو میرا بھائی ہے۔ اگر کوئی تیرے ساتھ بحث کرے تو کہہ دیا کر کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں۔ لا یدعیھا احد بعدك الا كذاب تیرے بعد میرے بھائی ہونے کا دعویٰ دار کذاب ہوگا۔''

(کنز العمال' جلد ۶' صفحہ ۳۹۹)

بے مثل رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ انفرادی شان اور عظمت و رفعت عطا فرمائی کہ پوری کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مثیل و عدیل نہیں ہے۔ یہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم تھا کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی قرار دیا۔ علامہ ابن ہشام' اولین سیرت نگار ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں:

ثم اخذ بيد علی ابن ابی طالب وقال هذا اخی فكان رسول الله صلی الله عليه وسلم سيد المرسلين وامام المتقين ورسول رب العالمين الذی ليس له خطير ولانظير من العباد وعلی بن ابی طالب اخوين .

''پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ میرا بھائی

ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار، تمام متقیوں کے امام اور اللہ کے رسول ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مثیل ونظیر نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا بھائی قرار دیا۔"

حضرت مولا علی اس فضیلت میں منفرد حیثیت کے حامل تھے۔چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔میرے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہنے والا سخت جھوٹا ہے۔آپ نے اس قول میں جہاں اپنی امتیازی خصوصیت کی نشاندہی کی ہے وہاں یہ بھی واضح فرما دیا کہ میرے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بننے کے دعویدار کذاب ہوں گے۔اس خصوصی قرب کے باوجود آپ نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہہ کر بھی مخاطب نہ کیا۔آپ کے اس کردار کی روشنی میں ان لوگوں کو اپنے اطوار کا جائزہ لینا چاہیے جن کے عقیدے کی زبان یہ ہے:

"اولیاء وانبیاء، امام وامام زادہ، پیر وشہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔" (محمد اسماعیل، شاہ تقویۃ الایمان، صفحہ ۶۵)

اشتیاق ملاقات علی رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما مررت بسماء الا و اهلها يشتاقون الى على بن ابى طالب ۔

(الریاض النضرۃ، جلد ۳، صفحہ ۱۹۸)

"شب معراج میرا آسمانوں پر گزر ہوا تو میں نے آسمان والوں کو علی بن ابی طالب کا مشتاق پایا اور جنت میں موجود ہر نبی کو علی سے ملاقات کا اشتیاق

تھا۔"

پل صراط سے گزرنے کا اجازت نامہ

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی اور آپ مسکرائے تو حضرت علی نے مسکراہٹ کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا! میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا!

لا یجوز احد الصراط الا من کتب له علی بن ابی طالب الجواز .

علی کی رسید کے بغیر کسی شخص کو پل صراط سے گزرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

حضرت علی نے مسکرا کر جواب دیا:

ان ابشرك یا ابا بکر: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یکتب الجواز الا لمن احب ابا بکر (ایضاً، جلد ا، صفحہ ۲۰۸)

"ابوبکر! کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بھی) فرمایا تھا کہ علی صرف اس کو پل صراط سے گزرنے کی رسید دے گا جسے ابوبکر سے محبت ہوگی۔"

پہلے جنتی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا علی انك اول من یقرع باب الجنة فتدخلها بغیر حساب بعدی (ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۱۴)

"اے علی! میرے بعد باقی لوگوں میں سے تم سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹا کر بلاحساب جنت میں داخل ہوگے۔"

باب جنت پر نام علی رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مکتوب علی باب الجنة محمد رسول اللہ علی اخو رسول اللہ قبل ان تخلق السمٰوٰت بالفی سنة ۔

''آسمانوں کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل جنت کے دروازے پر تحریر ہے:
محمد اللہ کے رسول ہیں، علی رسول اللہ کے بھائی ہیں۔

ساق عرش پر نام علی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
معراج کی رات میں نے ملاحظہ کیا کہ عرش کے پایہ (ساق) پر لکھا ہوا تھا:

محمد رسول اللہ، ایدته بعلی و انصرته به ۔

''محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں، میں نے علی (مرتضیٰ) کو اپنے رسول کا مددگار بنایا۔

مومن و منافق کی پہچان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اربعة لا یجتمع حبهم فی قلب منافق و لا یحبهم الا مومن ابوبکر و عمر و عثمان و علی ۔

''ابوبکر، عمر، عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) ان چاروں کی محبت منافق کے دل میں نہیں سما سکتی۔ ان سے صرف مومن ہی محبت رکھیں گے۔''

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما کنا نعرف المنافقین الا ببغضهم علیا

''ہم منافقین کو حضرت علی کے بغض کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔''

زر بن حبیش بیان کرتے ہیں، حضرت مولا علی نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑ کر شگوفہ نکالا اور روحوں کو پیدا فرمایا، میرے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ وعدہ فرما رکھا ہے۔

''اے علی! صرف ایماندار ہی تیرے ساتھ محبت رکھیں گے اور تجھ سے وہی

بغض رکھے گا جو منافق ہوگا۔''

حضرت سلمہ فرماتی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! ایماندار ہی تجھ سے محبت کریں گے۔

ولا یبغضك الا منافق او کافر

''جب کہ تجھ سے عداوت رکھنے والا منافق ہوگا یا کافر۔''

اولاد کو سکھاتے محبت علی کی وہ

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اپنی اولاد کو حُبِ علی کا درس دیتے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنا ننور اولادنا بحب علی بن ابی طالب

''ہم اپنی اولاد کے سینوں کو حضرت علی کی محبت سے منور کرتے اور اگر کسی شخص کے دل میں آپ کی محبت کو خالی پاتے تو جان لیتے کہ یہ ہمارا نہیں اور رشد و ہدایت سے محروم ہے۔''

کثرت فضائل کا سبب

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام یاروں' خلفائے راشدین میں سے ہر ایک عظمت کا مینار اور جداگانہ مقام و مرتبہ کا مالک ہے۔ آسمان' جنت اور عرش پر ان کے نام کے پھریرے لہرا رہے ہیں۔ دنیا میں انہیں عزت ملی اور روز محشر انہیں سرفراز کیا جائے گا۔

سچا مومن اور محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہے جس کی جبین نیاز تمام صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کی بارگاہ بے کس پناہ میں خم ہو اور دل ان کی سچی عقیدت و محبت سے سرشار ہو۔

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ جب

خوارج نے اپنے خبث باطنی سے کام لیتے ہوئے حضرت مولا علی کی شان میں ناروا باتیں کہیں تو صحابہ کرام نے کھلے دل سے آپ کے محامد و محاسن بیان کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث روایت کر کے محبت اہلِ بیت اور غلامیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کیا۔

عبادت وریاضت

حضرت مولا علی نے بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت گزاری، سوز وگداز اور آہ وزاری کے مناظر اپنی آنکھوں میں بسا لیے تھے جن کا اثر ان کی طبیعت میں حد درجہ پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔

نماز میں محویت

عبادات میں نماز کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نماز سے انتہائی محبت تھی۔ نماز میں ایسے منہمک اور یکسوئی سے کھڑے ہوتے کہ کسی دوسری طرف خیال تک نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ جنگ کے دوران آپ کی پنڈلی میں تیر لگ گیا۔ ماہر طبیبوں نے تیر نکالنے کے بہتیرے جتن کیے مگر مقصد میں ناکام رہے۔ آپ نے فرمایا میں اس درد میں بے حد لذت محسوس کر رہا ہوں۔ تیر نکالنے کی تمام تدابیر ناکام ہو چکیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ نماز ادا کر رہے ہوں تو یہ تیر بآسانی نکالا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب آپ نماز میں مستغرق تھے تو تیر نکال لیا گیا اور آپ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا: حضرت! نماز کا اعادہ فرمالیں کیونکہ آپ کا تیر نکال لیا گیا ہے۔ دیکھیے آپ کی پنڈلی سے ابھی خون جاری ہے۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے تو کچھ بھی پتہ نہیں چلا۔''

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

کثرت رکوع و سجود

نماز سے محبت اور رکوع و سجود کی کثرت آپ کا امتیازی وصف تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں، کافروں پر بڑے سخت، آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔ تو انہیں کبھی رکوع کرتے دیکھے گا، کبھی سجدہ کرتے ہوئے، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں۔" (الفتح: ۴۸ آیت ۲۹)

اس آیہ مبارکہ میں یوں تو بالعموم تمام صحابہ کرام کے اوصاف و کمالات کا بیان ہے تاہم بطور خاص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے امتیازی خصائص کا ذکر ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں: وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے حضرت ابوبکر صدیق اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے حضرت عمر فاروق اعظم رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے حضرت عثمان غنی رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت مولا علی اور يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سے مراد باقی صحابہ کرام ہیں۔

اس میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے رکوع و سجود کی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔

عبادت کی ترغیب

آپ نہ صرف یہ کہ خود بہت بڑے عابد تھے بلکہ چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی غافل نہ رہیں، خصوصاً رحمت و برکت کے خاص موقع پر عبادت کا زیادہ اہتمام کریں۔

رمضان المبارک اپنے انوار و تجلیات اور برکات خداوندی کے اعتبار سے روحانی موسم بہار ہے۔ اس ماہ میں نہایت فضیلت والی رات "لیلۃ القدر" بھی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ ان قیمتی راتوں کو غفلت کی نذر نہ کیا جائے بلکہ قیام اللیل کا اہتمام کیا جائے۔ قیام اللیل (تراویح) خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی معمول تھا تاہم دو راتوں کے بعد جب صحابہ کرام کثیر تعداد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نماز ہو

گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہ لائے کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما ہو جانے کے بعد چونکہ فرضیت کا احتمال باقی نہ رہا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا' چنانچہ خود بیان فرماتے ہیں:

انا و اللہ حرضت عمر علی القیام فی شھر رمضان

''اللہ کی قسم میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رمضان کی راتوں میں قیام کی رغبت دلائی۔''

میں نے انہیں بتایا کہ ساتویں آسمان پر ایک ایوان ہے جسے ''حظیرۃ القدس'' (مقدس ایوان) کہا جاتا ہے وہاں کے فرشتے روح یا روحانیون کہلاتے ہیں۔ لیلۃ القدر میں وہ اللہ کی اجازت سے زمین پر آتے ہیں اور ایسی مساجد جہاں نماز کا اہتمام ہو رہا ہو وہ نماز کے لیے آنے والے نمازیوں سے ملتے ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں جس کی برکت انہیں پہنچتی ہے' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یا ابا الحسن فحرض من الناس علی الصلوٰۃ حتی نصیبھم البرکۃ فامر الناس بالقیام

''اے ابوالحسن (علی)! ہم لوگوں کو نماز کا شوق دلائیں تا کہ وہ اس برکت سے بہرہ یاب ہو سکیں چنانچہ آپ نے لوگوں کو قیام کا حکم دیا۔''

گویا قیامت تک باجماعت تراویح ادا کرنے کے لیے اس عمل کا ثواب حضرت عمر اور حضرت مولا علی کو بھی پہنچتا رہے گا۔

ذوقِ عبادت

آپ کی عبادت گزاری کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان ما علمت صوا ما قوا ما

''جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ بکثرت روزہ رکھنے والے اور عبادت کے

لیے بہت زیادہ قیام کرنے والے ہیں۔"

آپ بڑے صاحب ذوق اور شب بیدار تھے۔ تمام رات عبادت و ریاضت ' ذکر وفکر اور تلاوت کلام مجید میں محو رہتے ' نماز فجر کے بعد قبلہ رو ہو کر سورج طلوع ہونے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے۔ (سیر الاقطاب ' صفحہ ۹)

خشیت الٰہی اور ذوق عبادت کا یہی رنگ نباض ملت علامہ محمد اقبال ' ملت اسلامیہ کے نوجوانوں میں دیکھنا چاہتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہیں

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

(بال جبریل ' صفحہ ۱۲۴)

خرقۂ خلافت

حضرت سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ نے خرقۂ خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست سے حاصل کیا اور ایک جہان کو مطلوب حقیقی تک پہنچایا۔

جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا ہمیشہ گریہ وزاری میں مشغول رہتے۔ فرمایا کرتے: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خرقہ پہنا ہے مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وسنت کے منافی کوئی کام سرزد ہو جائے اور روز محشر شرمساری کا بار گراں اٹھانا پڑے۔ (سیر الاقطاب ' صفحہ د)

شب معراج ۔۔۔ خصوصی عطیہ خداوندی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو جو خرقہ پہنایا ' یہ دراصل شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ مصنف صحیح بہاری ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری رضوی (خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہما) بیان کرتے ہیں جو ہر غیبی کنز چہارم میں "شرح رسالہ مکیہ" سے روایت ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب شب معراج بہشت میں پہنچے تو ایک حجرہ

دیکھا جہاں ایک صندوق رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھولا تو خرقہ دیکھا۔ عرض کیا' خداوند! میرا جی چاہتا ہے کہ اس خرقہ کو پہنوں۔

ارشاد ہوا' شوق سے پہنیے۔ پہننے کے بعد رحمۃ للعالمین کا دریائے رحمت جوش میں آیا اور کہا: خداوند! یہ خرقہ مجھی تک محدود رہے گا یا میرے خاص امتیوں کو بھی پہنچے گا۔ ارشاد ہوا پہنچے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے راز کی بات بتائی اور فرمایا: جب آپ واپس جائیں تو اپنے چاروں یاروں کو بلا کر الگ الگ ان سے پوچھیں کہ اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو کیا کرو گے' اس سے کیا فائدہ اٹھاؤ گے؟ جس کا جواب میرے بتائے ہوئے جواب اور اس کے راز کے مطابق ہو' ان کو خرقہ دے دیجئے گا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو کیا کرو گے' اس سے کیا فائدہ اٹھاؤ گے؟ عرض کیا، میں صدق پھیلاؤں گا۔ فرمایا:

اجلس مکانک ''اپنی جگہ پر جا کر بیٹھیے۔''

پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو کیا کرو گے؟ عرض کیا، عدل پھیلاؤں گا۔ ارشاد ہوا:

اجلس مکانک ''اپنی جگہ پر جا کر بیٹھیے۔''

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بھی پوچھا کہ اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: میں حیا کو ترویج دوں گا۔ فرمایا:

اجلس مکانک ''اپنی جگہ پر جا کر بیٹھیے۔''

اس کے بعد حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا کہ اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی، میں لوگوں کے عیب چھپاؤں گا' بندگانِ خدا کی عیب پوشی کروں گا۔ ارشاد ہوا:

انت له وهو لك

''تم اس کے لائق ہو یہ شے تمہارے لیے سزاوار ہے۔ یہ خرقہ تمہارے لیے زیبا ہے۔''

مشائخ کرام اپنے خلفاء کو جو خرقہ پہناتے ہیں اس کی اصل بھی یہی ہے۔

تمام سلاسل طریقت میں مرتضوی فیض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ اس خصوصی خرقہ مبارکہ کی تاثیر ہے کہ تمام سلاسل طریقت آپ سے مستفیض ہیں۔ خصوصاً سلسلہ عالیہ قادریہ' سلسلہ عالیہ چشتیہ اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ آپ تک پہنچتے ہیں۔

ہو چشتی' قادری یا نقشبندی' سہروردی ہو
ملا سب کو ولایت کا انہی کے ہاتھ سے ٹکڑا

اہل تصوف کے سردار سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سيخنا في الاصول والبلاء سيدنا علي بن المرتضىٰ ۔

''اصول طریقت اور بلا (معاملات طریقت) میں ہمارے شیخ علی المرتضٰی ہیں۔''

آپ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آتے' قول و فعل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں سرمو فرق نہ آنے دیتے۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے' بغیر اس کے ایمان کا کوئی تصور نہیں۔ یوں تو صحابہ کرام سب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے لیکن وہ حضرات کتنے خوش بخت ہیں جنہیں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبولیت محبت کی سند عطا فرمادی۔ ان عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت مولا علی کرم اللہ

وجہہ الکریم امتیازی شان کے حامل ہیں۔

محبّ بھی، محبوب بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا اعلان فرمایا چنانچہ جنگ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو

یحب اللہ ورسولہٗ ویحبہٗ اللہ ورسولہٗ

''اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی کو عنایت کر کے علیؓ کی محبت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور واضح فرما دیا کہ علی محبّ الرسل بھی ہے۔ صرف محبّ ہی نہیں بلکہ آپ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بھی ہیں۔

میں اسے نہیں مٹا سکتا

محبت رسول کا اظہار صلح حدیبیہ کے موقع پر اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جب کفار کے ساتھ معاہدہ تحریر کیا جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا:

ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ

''یہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا۔''

مشرکین نے کہا کہ اسی بات میں تو اختلاف ہے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیتے تو آپ کی اتباع کر لیتے۔ محمد بن عبداللہ لکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا لکھا ہوا مٹا دیں۔ حضرت علی نے فرطِ ادب سے عرض کیا:

واللہ لا محاھا

''قسم بخدا میں اسے قطعاً نہیں مٹا سکتا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان کی پرواہ نہ کرنے والے علی کی محبت نے

گوارا نہ کیا کہ محمد رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیں۔ یہ حکم عدولی نہ تھی بلکہ کمال محبت کی دلیل تھی۔ چنانچہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجہاد والتفسیر، باب صلح حدیبیہ، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵)

اوصاف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بزبان علی المرتضیٰ

حضرت علی کی محبت رسول پر بین دلیل یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اداؤں اور روز و شب کے معمولات کو بڑی محبت سے بیان کرتے اور اس میں آپ کو بڑی مہارت تھی۔

ایک مرتبہ کچھ یہودی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اپنے صاحب کی صفات بیان کریں۔ آپ نے فرمایا: یہودیو! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار (ثور) میں اس طرح قریب رہا جیسے یہ میری دونوں انگلیاں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبل حرا پر اس طرح چڑھا کہ ایک دوسرے کی کمر میں بانہیں ڈالی ہوتی تھیں تاہم اس قدر قریب ہونے کے باوجود آپ کے اوصاف کا بیان بڑا کٹھن ہے۔ ہاں علی ابن ابی طالب کے ہاں چلے جاؤ۔ وہ لوگ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا:

اے ابوالحسن! اپنے چچا کے بیٹے کے اوصاف تو بیان کیجئے۔ آپ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو حد موزونیت سے بڑھ کر دراز قد تھے اور نہ پست قد کہ ایک عضو دوسرے عضو میں گھسا ہوا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مائل بہ درازی تھے۔ رنگ مبارک میں سفیدی و سرخی کا امتزاج تھا، بال مبارک بہت زیادہ گھنگریالے نہ تھے بلکہ خمیدہ (کنڈل دار تھے) جو کانوں کو چھوتے تھے، کشادہ سرگیں دندان مبارک نہایت چمکیلے، بلند بینی گردن مبارک چاندی کی صراحی کی طرح سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لمبی لکیر گویا سیاہ مشک کی ایک شاخ، سینہ اور باقی جسم اطہر پر اس کے علاوہ بال، نا تو یوں

مضبوط قدم اٹھاتے جیسے فراز سے نشیب کی جانب گامزن ہوں' جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف التفات فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے' جب کھڑے ہوتے تو تمام لوگوں سے بلند و بالا نظر آتے' جب بیٹھتے تو سب سے اونچے دکھائی دیتے' بات کرتے تو لوگوں پر سکوت چھا جاتا' خطبہ ارشاد فرماتے تو سامعین پر گریہ طاری کر دیتے' لوگوں پر سب سے زیادہ رحیم و مہربان' یتیموں کے لیے شفیق باپ کی مانند' بیواؤں کے ساتھ کریم' سب سے زیادہ بہادر' سب سے زیادہ عطا فرمانے والے' بہت شگفتہ' تھے عباء زیب تن فرماتے' جو کی روٹی تناول فرماتے' آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' چارپائی کیکر کی لکڑی کی تھی جو کھجور کے پتوں کی رسی سے بنی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عمامے تھے ایک کا نام سحاب تھا اور دوسرے کا عقاب۔ تلوار آپ کی ذوالفقار تھی' آپ کا جھنڈا نحراء اونٹنی' غباء خچر' دلدل گدھا' یعفور گھوڑا' بکری برکہ' لاٹھی محشوق اور علم لواء الحمد کے نام سے موسوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو خود باندھتے اور چارہ ڈالتے' کپڑوں کو پیوند لگا لیا کرتے اور جوتے کی خود ہی اصلاح کر لیتے تھے۔

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا:

شمائل ترمذی میں ہے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے کے بعد فرمایا: صلم ار قبلهٔ و لا بعده مثله

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیکر حسن و جمال اور نہیں دیکھا۔''

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا' تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سا کوئی نہیں ہے

شمائل ترمذی کی ایک اور روایت میں حضرت علی حلیہ مبارک بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یقول نا عنه لم ار قبله و لا بعده مثله صلی اللہ علیه وسلم

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مدح سرا (بالآخر) یہی کہتا ہے کہ آقا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ کوئی پہلے ہوا اور نہ بعد میں ہو گا۔''

نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سا کوئی نہیں ہے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نہیں ہے

سب سے محبوب تر

خلاصہ یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زندگی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھی۔ آپ کی نظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی محبوب ترین شخصیت تھے جن کے آگے دنیا کی تمام محبتیں ہیچ تھیں۔ چنانچہ جب آپ سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے نہایت جامع جواب دیا۔ فرمایا:

کان واللہ احب الینا من اموالنا واولادنا وآبائنا وامھاتنا ومن الماء البارد علی الظماء

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے مال' اولاد' والدین اور سخت پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔''

حضرت علی کا دورِ خلافت

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین میں سے چوتھے اور ہاشمی خاندان کے پہلے خلیفہ ہیں۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ہاشمی خاندان میں میری معلومات کے مطابق نجیب الطرفین ہاشمی خلفاء صرف تین گزرے ہیں۔

۱۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
۲۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ
۳۔ خلیفہ امین بن رشید (اسد الغابہ جلد ۵' صفحہ ۵۱۷)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ذوالحجۃ المبارکہ ۳۵ ہجری میں خلیفہ بنائے گئے۔ اس وقت امت کے اندر جو فتنہ اور یورش برپا تھا اس کی وجہ سے آپ کا پورا دورِ خلافت جنگوں' شورشوں اور فتنوں میں گزرا۔ ایک طرف امیر معاویہ تھے جو شام اور دیگر علاقوں کے حکمران بن چکے تھے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کے خلاف صف آراء ہو گئے' ان کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ ادھر مولا علی کے ساتھ بھی صحابہ کرام تھے اور باجماع اہل سنت خلیفۂ راشد حضرت مولا علی ہی تھے مگر یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم امت مسلمہ کے ان رہنماؤں کے خلاف زبان طعن دراز کریں۔ یہ وہ مقدس و برگزیدہ ہستیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط (الحدید ۵۷ آیت ۱۰)

''(فتح مکہ سے پہلے یا بعد میں ایمان لانے والے) تمام (صحابہ کرام) سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حلم و بردباری' نرمی و خوش خلقی' مروت و مودت کے مجسمہ اور اخلاق حسنہ میں اپنے مربی اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم تھے۔ خدا جانے ان خون ریزیوں سے ان کے قلب حزیں اور طبع نازنیں پر کیا کیفیت گزرتی ہو گی۔

جب جنگوں نے طول اختیار کیا تو طے پایا کہ فریقین کسی کو حاکم (منصف) مقرر کر کے فیصلہ ان کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ آپ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو بن العاص حاکم مقرر ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء' صفحہ ۱۷۴)

مگر یہ دونوں حضرات کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے اور اختلافات نے شدت اختیار کر لی۔ اس واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی کے بہت سے ساتھی آپ کو چھوڑ گئے اور یوں خوارج کی باقاعدہ ایک جماعت وجود میں آ گئی۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ دین کے معاملہ میں حکم (منصف) مقرر کرنا کفر ہے اور انہوں نے اعلانیہ لا حكم الا الله (حکم صرف اللہ کا ہے) اور كفر علي و معاوية (علی اور معاویہ (معاذ اللہ) دونوں کافر

ہیں) کا نعرہ بلند کیا۔

مسند امام احمد میں ہے:

آٹھ ہزار افراد بغاوت کر کے کوفہ کے قریب حروراء بستی میں ٹھہر گئے اور حضرت علی پر شدید ناراضگی اور غصہ کا اظہار کیا کہ انہوں نے دینی معاملہ میں ثالث کو کیوں قبول کر لیا جبکہ حکم صرف اللہ کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور ان میں سے قرآن کا علم رکھنے والوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ درمیان میں قرآن رکھ دیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اے مصحف! لوگوں کو بتا اور ان میں فیصلہ کر۔ بیک زبان سب نے کہا:

ورق اور سیاہی کیسے بولیں گے؟ ہمارے مراد تو قرآنی احکام ہیں۔ آپ نے فرمایا! تو پھر سنو!

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک حکم فرماتا ہے کہ جب میاں بیوی میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو صلح کرانے کے لیے زوجین کی طرف سے ایک ایک حکم (منصف) مقرر کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (النساء:۴، آیت ۳۵)

''اور اگر اندیشہ ہو ان دونوں کے درمیان اختلاف کا تو مقرر کرو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں سے اور ایک منصف عورت کے رشتہ داروں سے۔''

ایک گھر کی اصلاح کے لیے حکم مقرر کرنا جائز ہے تو امت کے دو گروہوں میں صلح کے لیے حکم مقرر کرنے میں آخر کیا قباحت؟

مگر ان لوگوں کا تو مقصد ہی فتنہ پروری تھا (جس کے پس پشت غیر مسلموں کی سازشیں اور دیگر کئی عوامل شامل تھے) چنانچہ وہ لوگ مسلسل فتنہ انگیزی کرتے رہے۔

شہادت

خوارج میں سے تین اشخاص عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی نے مکہ مکرمہ میں ایک خفیہ میٹنگ کی جس میں حضرت علی مولا رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور طے پایا کہ تینوں پر بیک وقت ہی حملہ کیا جائے مگر ابن ملجم خارجی (جس کے لیے بدبختی اور ذلت مقدر ہو چکی تھی) حضرت علی پر وار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

سترہ رمضان المبارک کی سحری کے وقت حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے صاحبزادے امام حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا: گھر والوں کو (عبادت کے لیے) بیدار کرو کیونکہ آج کی شب جمعہ اور صبح یوم بدر ہے، پھر انہیں خواب سنایا کہ آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت میرے ساتھ سخت نزاع اور کج روی سے کام لے رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم ان کے خلاف دعا کرو، میں نے یوں دعا کی!

''یا اللہ! مجھے ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور ان پر کسی بڑے شخص کو مسلط کر دے۔''

آپ اپنا خواب سنا رہے تھے کہ مؤذن ابن نباح نے نماز کے لیے آواز دی، آپ نماز پڑھانے کے لیے گھر سے نکلے اور راستے میں حسب عادت ایہا الناس الصلوٰۃ الصلوٰۃ! نماز، نماز کی صدا بلند کر کے لوگوں کو بیدار کرتے ہوئے کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے، ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار کے ساتھ نہایت سخت وار کیا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ حملہ کے وقت فرمایا: فزت برب الکعبة

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔''

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ حملہ نماز سے پہلے ہوا یا دوران

نماز۔ صحیح یہ ہے (حملہ دوران نماز ہوا) بقیہ نماز کی تکمیل کے لیے جعدہ بن ہیرہ کو امامت کے لیے خلیفہ بنایا۔

وصیت

جب جان بر ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو نہایت جامع وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا بیٹا' علی بن ابی طالب یہ وصیت کرتا ہے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور برگزیدہ بندے ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کے مطابق پسند فرمایا اور مخلوق کے لیے رہنما بنایا۔ اے حسن! بے شک اللہ تعالیٰ روزِ محشر قبروں سے لوگوں کو اٹھائے گا اور ان کے اعمال کا حساب لے گا اور وہی دلوں کے بھید جانتا ہے۔

اے حسن! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں' جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی، جب میں وفات پا جاؤں تو اپنے گھر میں رہو اور اپنے گناہوں پر روتے رہو' تمہارا مقصود دنیا نہیں ہونا چاہیے (بلکہ آخرت کی فکر ضروری ہے)۔

پیارے بیٹے! وقت کی پابندی کے ساتھ نماز قائم رکھو' مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کرو' مشتبہ معاملات میں خاموشی اختیار کرو' خوشی اور غصہ کی حالت میں عدل اور میانہ روی سے کام لو' ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک' مہمان کی عزت' مصیبت زدہ لوگوں پر رحم' رشتہ داروں سے صلہ رحمی' مساکین سے محبت اور ان کی ہم نشینی اختیار کرو' عجز وانکساری سے کام لو کیونکہ یہ افضل عبادت ہے۔ موت کو یاد رکھو' دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو کیونکہ تم موت کے مرہون ہو'

مصائب تمہارے درپیش ہیں اور بیماری تم سے دور نہیں ہے۔

تمہیں خفیہ اور اعلانیہ (ہر حالت میں) خشیت الٰہی کی وصیت کرتا ہوں' قول و فعل میں شریعت کے مخالف سے باز رہو' جب آخرت کا معاملہ درپیش ہو تو اس میں پہل کرو' دنیاوی معاملہ میں عجلت سے کام نہ لو حتیٰ کہ اس کی درستی معلوم ہو جائے' تہمت کی جگہوں سے بچو کیونکہ برے ساتھی کی صحبت نقصان دہ ہے۔ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرو' ظلم سے بچو' اچھی بات کا حکم دو' برائی سے منع کرو' اسلامی بھائیوں سے اللہ کی رضا کے لیے برادرانہ تعلق قائم کرو' نیکوں سے ان کی نیکی کی وجہ سے محبت رکھو' فاسق سے علیحدہ رہو اور دلی بغض رکھتے ہوئے اس سے دوری اختیار کرو' کہیں تم بھی ان جیسے نہ ہو جاؤ۔

عام گزرگاہ میں نہ بیٹھو' بیوقوفوں سے جھگڑے سے اجتناب برتو' اخراجات میں میانہ روی سے کام لو' عبادت اچھی طرح کرو اور اس میں حسبِ طاقت ہمیشگی اختیار کرو' اکثر خاموش رہو کہ اس میں سلامتی ہے' اپنے لیے اعمال صالحہ کا ذخیرہ آگے بھیجو' اچھی تعلیم دو' ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہو' چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت کرو' کھانا تناول کرنے سے پہلے اس میں کچھ صدقہ کر دیا کرو' روزہ لازمی رکھو کہ یہ بدن کی زکوٰۃ اور روزہ دار کے لیے ڈھال ہے' نفس سے جہاد کرو' اپنے ساتھیوں سے محتاط رہو' دشمن سے علیحدہ رہو' مجالس ذکر میں شمولیت اور کثرت سے دعا کیا کرو۔

میرے بیٹے! میں نے نصیحت میں کمی نہیں کی' اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہونے والی ہے' میں تمہارے بھائی محمد بن حنفیہ کی بابت تمہیں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں' وہ تمہارے باپ کا لختِ جگر ہے اور تمہیں پتا ہے کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔

حسین' ماں اور باپ دونوں کے لحاظ سے تمہارا حقیقی بھائی ہے۔ میرے بعد اللہ تعالیٰ تمہارا کفیل اور کارساز ہے۔ اسی کی بارگاہ میں دعا گو رہنا کہ وہ تمہاری اصلاح فرمائے اور سرکش لوگوں کے شر سے تمہیں محفوظ فرمائے۔ صبر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ خلافت کا کوئی فیصلہ فرمادے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

پھر فرمایا: حسن! دیکھو' میرے قاتل کو میرے کھانے جیسا کھانا کھلاؤ' اگر زندہ رہا تو اپنے معاملات کا خود فیصلہ کروں گا' اگر اس حملہ سے جانبر نہ ہوسکوں تو حملہ آور کو قتل کردینا مگر اس پر صرف ایک ہی وار کرنا اور اس کا (ناک' کان' ہونٹ وغیرہ اعضاء کاٹ کر) مثلہ ہرگز نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مثلہ کرنے سے بچو' اگرچہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو۔''

اے حسن! میرے کفن میں گراں قیمت کپڑا استعمال نہ کرنا کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ہدایت فرمائی ہے۔

اے بنی عبدالمطلب! میری وجہ سے مسلمانوں کی خونریزی نہ کرنا' خبردار صرف میرے قاتل ہی کو سزا دینا' اگر اس کے حملہ کی وجہ سے میری موت واقع ہوجائے تو اس پر صرف ایک ہی وار کرنا''

اس وصیت کے بعد آپ نے سوائے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے کوئی اور بات نہ کی۔ (نورالابصار' صفحہ ۱۰۶)

پھر ۱۹ رمضان المبارک ۴۰ ہجری اتوار کی شب' ۶۳ برس کی عمر میں (۲۸۹) علم ومعرفت' شجاعت وبسالت' خلق ومروت' ایثار وسخاوت اور رشد وہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کسے راہ میسر نہ شد ایں سعادت

بکعبہ ولادت' بمسجد شہادت

حضرت مولا علی کا عہد خلافت چار سال نو ماہ پر محیط ہے۔

تجہیز و تکفین

حضرت حسنین کریمین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے غسل دیا اور تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا' آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی اور سحری کے وقت آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت مولا علی کے مزار کی تحقیق

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے مزار کے بارے میں تواتر کی حد تک تو یہی مشہور ہے کہ آپ نجف اشرف میں مدفون ہیں مگر تاریخی طور پر اس میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں سازشوں' شورشوں اور فتنوں کا سامنا رہا اور جس طرح آپ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا ان حالات و واقعات کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ آپ کی تدفین کو خفیہ رکھا جائے' خوارج آپ کے سخت دشمن تھے' جب شقی القلب عبدالرحمٰن بن ملجم کے قاتلانہ حملے سے آپ نے جامِ شہادت نوش کیا تھا اس کا تعلق بھی اسی فرقہ نافرجام سے تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ لوگ آپ کی قبر کی بے حرمتی نہ کریں سو آپ کی قبر مبارک کو مخفی رکھا گیا۔ قبر انور کے سلسلہ میں خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے بہت سی متضاد روایات نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو جامع مسجد کوفہ کے قریب قصر الامارہ میں دفن کیا گیا۔

ابوزید بن طرف کا کہنا ہے، آپ جامع مسجد کی دیوار قبلہ کے ساتھ باب الوزاقین کے سامنے یزید بن خالد کے گھر میں مدفون ہیں' ایک مرتبہ اس مکان میں کوئی تعمیری کام ہو رہا تھا کہ کھدائی میں آپ کی نعش مبارک تر و تازہ برآمد ہوئی۔

عبداللہ العجلی بیان کرتے ہیں آپ کوفہ میں کسی جگہ مدفون ہیں مگر قبر مبارک معلوم نہیں۔ (تاریخ بغداد جلد ا صفحہ ۱۳۶)

ایک روایت میں ہے آپ کی تدفین کوفہ میں ہوئی پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد آپ کی نعش مبارک کو یہاں سے منتقل کر کے مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع شریف میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ شہادت کے فوراً بعد آپ کے جسد اقدس کو ایک تابوت میں محفوظ کر کے اونٹ پر سوار کیا گیا' راستے میں اونٹ گم ہو گیا اور قبیلہ طے کے علاقے میں جا پہنچا۔ انہوں نے خزانہ سمجھ کر تابوت کھولا مگر جب اندر سے نعش برآمد ہوئی تو اسے دفن کر دیا اور اونٹ کو ذبح کر کے کھالیا۔

ابوجعفر حضرمی سے منقول ہے کہ (نجف اشرف میں) جس قبر کو لوگوں نے حضرت علی کا مزار سمجھ کر رکھا ہے اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو میں شب و روز یہیں کا ہو کر رہ جاتا لیکن درحقیقت یہ آپ کا مزار نہیں ہے بلکہ

لو علمت الرافضة قبر من هذا لرحمة بالحجارة هذا قبر المغيرة بن شعبة

''اگر روافض کو صاحب مزار کا نام معلوم ہو جائے تو وہ اسے سنگسار کرنے کی کوشش کریں' یہ مزار دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔''

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے روضۂ مبارک کے بارے میں ایک مشہور قول ہے کہ آپ افغانستان میں مدفون ہیں اور آپ کی قبر کی مناسبت سے یہ علاقہ مزار شریف کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں بہت عالی شان آستانہ عالیہ جو مرجع خلائق ہے کہا جاتا ہے کہ افغانستان کے قدیم جھنڈے میں آپ کے مزار کا نقشہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار جہاں کہیں بھی ہو یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے

کہ نجف اشرف میں موجود عمارت آپ کی ذات اقدس سے منسوب ہے اور زائرین آپ ہی کی زیارت کی نیت سے حاضری دیتے ہیں اور آپ کی روحانی توجہات سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ معمولی بارگاہ نہیں' آپ کمالات ظاہری و باطنی کے جامع' روحانیت و تصوف کے امام اور صاحب کرامات و تصرفات ہیں' سو نجف اشرف میں ان کی زیارت کے لیے آنے والے اجر و ثواب اور فیوض و برکات سے محروم نہیں رہتے۔

مزید برآں یہ کہ بہت سی کتب میں نجف کا ذکر ہے۔ علامہ یعقوب حموی متوفی ۶۲۶ ہجری نے بھی نجف کے تحت آپ کی قبر انور کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲۹۸) سرزمین نجف شعراء کے لیے بھی مرجع عقیدت رہی ہے' علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تو زبانِ زدِ خاص و عام ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اور تو اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جن کے اشعار بھی علم و تحقیق کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں نے اپنے شہرۂ آفاق سلام میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت پر مشتمل اشعار کے اندران کے لیے ''دردرج نجف'' کے الفاظ استعمال کر کے نجف سے مرتضوی نسبت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

درِّ درج نجف مہر برج شرف
رنگ روئے شہادت پہ لاکھوں سلام
(حدائق بخشش کے قدیم نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں ہے:)
''رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام''

ازواج و اولاد

آپ کی پہلی شادی سیدہ کائنات فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی' ان سے دو

صاحبزادے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے کہ ایک صاحبزادے محسن بھی تھے جو بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ صاحبزادیاں بھی دو تھیں، سیدہ زینب الکبریٰ اور سیدہ ام کلثوم الکبریٰ رضی اللہ عنہما۔

سیدہ زینب کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا جبکہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا اور یہ نکاح آپ نے اہلِ بیت کرام سے نسبت و قرابت کے حصول کے لیے کیا تھا۔

سیدہ فاطمہ کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت علی نے کسی اور سے نکاح نہیں کیا البتہ ان کے وصال کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں، تفصیل درج ذیل ہے:

ام ابنین بنت حرام

ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان متولد ہوئے۔ یہ چاروں کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود

ان سے دو صاحبزادے ہوئے۔

۱-عبیداللہ بن علی　　۲-ابوبکر بن علی

یہ دونوں شہزادے امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے، بعض کا قول ہے کہ عبیداللہ کو مختار نے مذار (مدائن) میں شہید کیا۔

اسماء بنت عمیس

ان سے محمد الاصغر اور یحییٰ پیدا ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ محمد ام ولد (باندی) کے بطن سے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ عون بن علی بھی اسماء کی اولاد سے ہیں۔

صہباء بنت ربیعہ

ان سے ایک صاحبزادے عمر بن علی اور صاحبزادی رقیہ کا تولد ہوا۔ حضرت عمر بن علی رضی اللہ عنہما کا پچاسی برس کی عمر میں ینبع میں وصال ہوا۔

امامہ بنت عاص

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

خولہ بنت جعفر

ان کا تعلق قبیلہ بنی حنفیہ سے تھا۔ان سے ایک صاحبزادے محمد الاکبر پیدا ہوئے جنہوں نے محمد بن حنفیہ کے نام سے شہرت پائی (یہ صاحبزادے نہایت جلیل القدر عالم اور بڑے سربرآوردہ بزرگ تھے)۔

ام سعید بنت عروہ بن مسعود

ان سے ام الحسن، رملہ الکبریٰ اور ام کلثوم متولد ہوئیں۔علاوہ ازیں متعدد باندیوں سے پیدا ہونے والی آپ کی صاحبزادیوں کے نام حسب ذیل ہیں:

ام ہانی، میمونہ، زینب الصغریٰ، رملۃ الصغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرم، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ اور ایک صاحبزادی جو صغرسنی میں وفات پاگئیں رضی اللہ عنہن۔

مجموعی طور پر حضرت علی کے چودہ صاحبزادے اور انیس صاحبزادیاں تھیں۔آپ کی نسل ان پانچ صاحبزادوں سے باقی رہی۔

۱۔امام حسن رضی اللہ عنہ

۲۔سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ

(حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ان دونوں صاحبزادوں کی اولاد سیّد کہلاتی ہے)۔

۳۔حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ

۴۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ

۵۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ (طبقات ابن سعد، جلد ۳، صفحہ ۲۰)

کلمات طیبات

حکمت وموعظت پر مبنی سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے چند کلمات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

۱-الناس نیام فاذا ما تو انتبھوا

''لوگ محوخواب ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے (ہوش آئے گا)''

۲-الصبر من الایمان بمنزلة الرأس من الجسد والایمان لمن لا صبر لہٗ (حلیۃ الاولیاء' جلد ا' صفحہ ۷۶)

''صبر کا ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کا دھڑ سے۔ جو صبر سے محروم ہوا وہ ایمان سے محروم ہو گیا۔''

۳-المرء مخبوء تحت لسانہ (نورالابصار صفحہ ۸۱)

''انسان (کا عیب وہنر) اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔''

۴-لا یستحی اذا سئل عما لا یعلم ان یقول لا اعلم

''جب کسی سے ایسا سوال کیا جائے جسے وہ نہ جانتا ہو تو صاف کہہ دے کہ میں اس کے بارے میں نہیں جانتا اور اس اعتراف میں حیا نہ کرے۔''

۵- الا ان الفقیہ کل الفقیہ الذی لا یقنط الناس من رحمة اللہ ولا یؤ منھم من عذاب اللہ ولا یرحض لھم فی معاصی اللہ ولا یدع القران رغبة عنہ الٰی غیرہ۔

''آگاہ ہو جاؤ حقیقتاً کامل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے' اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ کرے' اللہ کی نافرمانی پر انہیں جری نہ بنائے اور قرآن کریم سے اعراض کر کے کسی اور طرف راغب نہ ہو۔''

۶- لا تنظر الٰی من قال وانظر الٰی ما قال

''یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔''

۷-اذا قدرت علىٰ عدوك فاجعل العفو شكر القدرة عليه

(نورالابصار صفحہ ۸۲)

"جب تو اپنے دشمن پر قادر اور غالب ہو جائے تو اس غلبہ وقدرت پر بطور شکرانہ اسے معاف کردے۔"

۸-اذتم العقل نقص الكلام (نورالابصار صفحہ ۸۲)

"جب عقل پوری ہو جائے کلام کم ہو جاتا ہے۔"

۹-نعمة الجاهل كروضة علىٰ مزبلة

"جاہل پر انعام کرنا غلاظت پر باغ لگانے کے مترادف ہے۔"

۱۰- الجزع اتعب من الصبر (الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲۹)

"بے قراری صبر سے زیادہ بامشقت ہے۔"

۱۱- اكبر الاعداء اخفاهم مكيده (نورالابصار صفحہ ۸۲)

"خفیہ مکروفریب کرنے والا شخص بہت بڑا دشمن ہے۔"

۱۲-السعيد من وعظ بغيره (الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲۹)

"نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔"

۱۳-اذ حلت المقادير بطلت التدابير

"جب تقدیر آجائے' ساری تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔"

۱۴- قل عند كل شدة لاحول ولا قوة الا بالله العلي العظيم تكف وقل عند كل نعمة الحمدلله تزد منها واذا ابطات عليك الا رزاق فاستغفر الله يوسع عليك۔

"مصیبت میں (بکثرت) لاحول پڑھنے سے تیری کفایت ہوگی' نعمت ملے تو الحمدللہ کہہ' نعمت میں اضافہ ہوگا اور اگر رزق میں تنگی ہو تو کثرت سے استغفار کرو' وسعت نصیب ہوگی۔"

۱۵- کم من غریب خیر من قریب۔

''بسا اوقات اجنبی' قریبی لوگوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔''

۱۶- ارتحلت الدنیا مدبرة و ارتحلت الاخرة مقبلة و لکل واحدة منها بنون فکونوا من ابناء الآخره و لا تکونوا من ابناء الدنیا فان الیوم عمل و لا حساب و غدا حساب و لا عمل۔

''دنیا پیٹھ پھیر کر چلنے والی ہے اور آخرت درپیش ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے طلبگار ہیں' سو تم آخرت سے محبت رکھو' دنیا کے طلبگار نہ بنو کیونکہ آج عمل کا وقت ہے حساب کا نہیں لیکن کل صرف حساب ہوگا اور عمل کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

۱۷-اعلم الناس باللہ اشدھم حبا و تعظیما لاھل لا الٰہ الا اللہ

(شعرانی' عبدالوہاب' امام' طبقات کبریٰ' مصر' جلد ا' صفحہ ۱۰)

''لوگوں میں سب سے زیادہ معرفت الٰہی والا (عالم ربانی) وہ ہے جو اہل ایمان کی سب سے زیادہ تعظیم کرے اور ان سے محبت رکھے۔''

۱۸-لا خیر فی عبادة لا علم فیھا وَلا خیر فی علم لا فھم فیه ولا خیر فی قرأةٍ لا تدبر فیھا۔

''علم کے بغیر عبادت میں' فہم کے بغیر علم میں اور تدبر و تفکر کے بغیر قرآن پڑھنے میں خیر و برکت اور بھلائی نہیں ہے۔''

۱۹-ما نلت من دنیاك فلا تکثرن به فرحا و ما فاتك فیھا فلا تیأس علیه حزنا ولکن ھمك فیھا بعد الموت۔

''دنیا ملنے سے زیادہ خوش نہ ہو' نہ ہی اس کے چلے جانے پر زیادہ غمگین ہو' درحقیقت تجھے مرنے کے بعد کی فکر کرنی چاہیے۔''

۲۰-بالبر یستعبد الحر

''نیکی اور بھلائی کے ذریعے آزاد کو بھی غلام بنایا جا سکتا ہے۔''

۲۱-لاشرف مع سوء الادب

''بے ادب بزرگی حاصل نہیں کر سکتا۔''

۲۲-اذا امتقتم فناد روابالصدقه

''جب مفلسی میں مبتلا ہو جاؤ تو جلدی سے صدقہ کرو۔''

۲۳-لسان العاقل وراء قلبه وقلب الاحمق وراء لسانه

''عاقل کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے اور بے وقوف کا دل زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔''

۲۴-لا كنز اغنٰى من القناعة (نورالابصار صفحہ ۸۳)

''قناعت سے بڑھ کر مستغنی کرنے والا کوئی اور خزانہ نہیں ہے۔''

۲۵-من كثر دينهٗ كم تَقَرَّ عينه (نورالابصار صفحہ ۸۳)

''جس پر قرض زیادہ ہو اس کی آنکھ ٹھنڈی نہیں رہتی۔''

۲۶-لا تعرف الناس الا با ختبار

''لوگوں کو تجربہ سے آزمانا چاہیے' بیوی اور اولاد کو غائبانہ حالت میں' قریبی کو غربت و محتاجی میں اور دوستی کو تنہائی میں پرکھو تا کہ اس کے ساتھ تم اپنا مقام پہچان سکو۔'' (نورالابصار صفحہ ۸۳)

۲۷-خیرا لکلام ما قل ودل وقل ولم لیملّ۔

''بہترین کلام وہ ہے جو بادلیل ہو اور قصد کی پوری وضاحت کرے' مختصر ہو اور لوگوں کے دل تنگ نہ کرے۔''

۲۸- من الفراغ تكون القبح۔

فارغ رہنے سے حماقت جنم لیتی ہے۔''

۲۹-قارن اهل الخیبر تكن معهم وامن اهل الشر (نورالابصار صفحہ ۸۳)

نیکوں کی صحبت اختیار کیجئے تم ان میں سے ہو جاؤ گے شریروں سے دور ہو تو
تم ان سے جدا ہو جاؤ گے۔

۳۰-عدو عاقل خیرو من صدیق جاهل۔

''دانا دشمن جاہل دوست سے بہتر ہے۔''

کرامات

آپ کا اصل شرف اور کرامت سے بڑھ کر کرامت تو راہ حق پر آپ کی ثابت قدمی اور استقامت ہے' تاہم خرق عادت کے طور پر بھی آپ سے بہت سی کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ یہاں بطور نمونہ صرف تین کرامات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سورج پھرا اُلٹے قدم

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے دو مرتبہ غروب ہو جانے کے بعد سورج طلوع فرمایا۔

☆ ایک مرتبہ تو جب صہبا میں خیبر سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کرنے کے بعد حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر انور رکھ کر استراحت فرمائی اسی اثناء میں وحی نازل ہوگئی۔ حضرت علی نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کے پیش نظر خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ نماز قضاء ہوگئی۔ سورج غروب ہو جانے کے بعد نزول وحی کا سلسلہ موقوف ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم اقدس کھولی تو مولا علی نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔ سرکار نے دعا فرمائی:

اللّٰهم ان عليا كان فى طاعتك و طاعة رسولك فاردد عليه الشمس۔

''اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و بندگی میں مصروف رہا' سو اس کے لیے سورج واپس پلٹا دے۔''

چنانچہ ڈوبا ہوا سورج واپس طلوع ہوگیا۔ آپ نے نماز عصر ادا فرمائی۔

☆ دوسری مرتبہ غروب شدہ آفتاب واپس لوٹنے کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

وصال کے بعد پیش آیا۔ حضرت علی اپنے رفقاء کے ہمراہ بابل کے سفر پر تھے۔ آپ نے عصر کی نماز ادا کر لی تھی جبکہ کچھ ہمراہیوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے نہر فرات عبور کرنے کا حکم دیا' اسی اثناء میں سورج غروب ہو گیا۔ ساتھیوں نے نماز قضاء ہو جانے پر تأسف کیا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج واپس پھیر دیا۔ آپ کے ساتھیوں نے نماز ادا کر لی تو سورج واپس دوبارہ غروب ہو گیا۔

(شواہد النبوۃ' صفحہ ۲۸۴)

ختم قرآن

مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے رکاب میں پاؤں رکھتے تو شروع قرآن کریم سے تلاوت کا آغاز کرتے اور دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے سے پہلے ہی مکمل قرآن مجید ختم کر لیتے۔

کٹا ہوا ہاتھ صحیح ہو گیا

آپ سے محبت رکھنے والوں میں سے سیاہ فام ایک غلام نے کسی کی چوری کر لی اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے پوچھا، کیا تو نے چوری کی ہے؟

''جی ہاں'' غلام نے اقرار کر لیا۔

آپ نے شرعی حکم نافذ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔

غلام عدالت سے واپس لوٹ رہا تھا کہ اسے سلمان فارسی اور ابن کراء رضی اللہ عنہما ملے اور پوچھا۔ ''یہ تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟''

وہ بولا: یہ اس نے کاٹا ہے جو مومنوں کے امیر اور مسلمانوں کے سردار ہیں' جو دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زوجِ بتول ہیں۔ غلام نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

''حضرت علی نے تیرا ہاتھ کاٹ دیا ہے اور تو اس کی مدح کر رہا ہے؟

ابن کراء نے حیرانی سے پوچھا۔

مجھے تعریف کا حق پہنچتا ہے کیونکہ وہ تعریف کے لائق ہیں اور میں کیوں نہ ان کی تعریف کروں جب کہ انہوں نے میرا ہاتھ کاٹ کے مجھے اخروی عذاب سے بچالیا۔

غلام نے بڑے وقار سے کہا اور چل دیا۔

سلمان فارسی اور ابن کراء حضرت علی مولا کے دربار میں پہنچتے ہیں۔سلمان فارسی نے پورا واقعہ گوش گزارش کر دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلام کو بلایا اور اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کو کلائی کے ساتھ رکھ کر چادر سے ڈھانپ دیا اور دعا میں مشغول ہو گئے' پھر کیا تھا آسمان سے ندا آئی: ارفع الرداء عن الید

''ہاتھ سے چادر کو اٹھا دو۔''

چادر اٹھائی گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہاتھ یوں سلامت صحیح ہے جیسے کبھی کٹا ہی نہ تھا۔

(تفسیر کبیر' جلد ۲۱' صفحہ ۸۹-۸۹)

سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی' سب سے پیاری' سب سے لاڈلی اور چہیتی صاحبزادی ہیں جن کو آتے دیکھ کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے انہیں کے ہاں جاتے اور انہیں پیار دیتے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔حافظ ابن عبدالبر کی تحقیق کے مطابق عمروں کے اعتبار سے ان کی ترتیب یہ ہے:

۱-سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

۲-سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

۳-سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

۴-سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

چاروں صاحبزادیاں ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں۔

ولادت

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت اس وقت ہوئی جب قریش مکہ کعبہ شریف کی تعمیر نو کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوارِ کعبہ میں حجر اسود کو نصب کیا۔ گویا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کی تنصیب کا اعزاز نصیب ہوا (یا یوں کہہ لیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دیوار کعبہ میں حجر اسود نصب کر کے کعبہ اور حجر اسود کو مشرف فرمایا) عین ان ہی ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعادت مند صاحبزادی عطا فرمائی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ (الاصابہ' جلد ۴' صفحہ ۳۶۵)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کی ولادت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۴۱ سال تھی۔

لیکن مدائنی اور ابن جوزی نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے جسے واقدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بناء کعبہ کے زمانے میں قبل از بعثت آپ کی ولادت ہوئی۔

اسم گرامی اور القابات

سیدہ کائنات کا اسم گرامی ہے فاطمہ' کنیت ام ابیہا اور القابات سیدۃ نساء اہل الجنۃ زہرہ و بتول راضیہ اور زاکیہ وغیرہ جن کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے:

فاطمہ فطم سے مشتق ہے اور فطم کا معنیٰ ہے چھڑانا' روکنا۔ آپ کو فاطمہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اپنے جملہ (اہل ایمان) عقیدت مندوں کو جہنم میں جانے سے روک لیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابنتي فاطمة حوراء آدمية لم تحض ولم تطمث وانما سماها

فاطمة لان فطمها ومحبيها عن النار ۔

''میری بیٹی فاطمہ (حسن صورت وسیرت اور طہارت کے اعتبار سے روحانی کمال والی ایسی) انسانی حور ہے جو حیض ونفاس کے عوارض سے پاک ہے۔ اس کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان سے محبت وعقیدت رکھنے والوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔''

ام ابیہا

آپ کی کنیت ام ابیہا ہے۔ (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۵)

یعنی اپنے باپ کی محبت کرنے میں ماں (جیسی) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ پیار تھا۔ اس لیے ان کی یہ کنیت رکھی گئی۔

سیدۃ نساء العالمین

آپ کا لقب سیدۃ نساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہے یعنی آپ تمام جہان کی عورتوں اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

زہراء

آپ کے حسن وجمال اور شگفتگی وتازگی کی وجہ سے آپ کو زہراء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی تحریر کرتے ہیں:

ومن خصائص ابنته فاطمة انها كانت لا تحيض وكانت اذا ولدت طهرت من نفاسها بعد ساعة حتى لاتفوتها صلوة ولذلك سميت الزهراء (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۵۱)

''حضرت فاطمہ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ نے انہیں نسوانی عارضہ (ماہانہ خون) سے محفوظ رکھا تھا جب ان کے ہاں کسی بچے کی ولادت ہوتی تو

آپ نفاس سے پاک ہوتیں چنانچہ آپ کی کوئی نماز قضا نہ ہوتی۔ اسی لیے
آپ کا نام زہراء رکھا گیا۔"

بتول

آپ کا ایک مشہور لقب بتول بھی ہے۔ لغت میں "بتل" کا معنی ہے قطع کرنا۔
چونکہ حضرت خاتون جنت فضل وشرف، دین اور حسن و جمال کے اعتبار سے اپنے زمانے
کی تمام عورتوں سے جدا اور منفرد شان کی حامل تھیں، اس لیے آپ کو بتول کہا جاتا ہے۔
"بتول" کہلانے کی وجہ بھی آپ رضی اللہ عنہا کے شایانِ شان ہے کہ دنیا و مافیہا
سے کٹ کر فقط یادِ الٰہی اور محبت خداوندی میں مستغرق ہوگئی تھیں۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۲، صفحہ ۴۵۹)

گویا آپ کی سیرت طیبہ قرآن کریم کی اس آیت کریم کی مصداق تھی: واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا۔
"اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اس کے ہو رہو۔"

راضیہ

اپنے رب کریم سے ہر حال میں راضی رہنے والی تھیں۔

زاکیہ

پاکیزہ اور صالحہ۔ آپ کی تمام حیات طیبہ نہایت پاکیزگی اور تقویٰ وطہارت سے
عبارت تھی۔

صادقہ، صالحہ، راضیہ، زاکیہ
صاف دل، نیک خو، پارسا، شاکرہ
عابدہ، زاہدہ، ساجدہ، ذاکرہ
سیدہ، زاہرہ، طیبہ، طاہرہ
جانِ احمد ﷺ کی راحت پہ لاکھوں سلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بہت محبت تھی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كانت اذ دخلت على النبى صلى الله عليه وسلم قام اليها فقبلها واجلسها فى مجلسه وكان النبى اذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبلته واجلسته فى مجلسها.

''حضرت فاطمہ الزہراء جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے انہیں چومتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے۔ یونہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں تشریف لاتے تو سیدہ کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتیں بوسے دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان فرماتے ہیں: جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے لیے روانہ ہوتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ کو ملتے۔

(مدارج' جلد۲' صفحہ۶۰۴)

یونہی سفر سے واپسی پر آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر جانے سے پہلے انہیں ملتے۔ حضرت ثعلبہ خشنی سے مروی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قدم من غزو او سفر بدأ بالمسجد فصلى فيه ركعتين ثم يأتى فاطمة ثم ياتى ازواجة. (کتاب الاستیعاب فی معرفت الاصحاب' جلد۲' صفحہ۷۵۰)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کسی غزوہ یا سفر سے واپس لوٹتے تو سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت نفل ادا فرماتے' پھر سیدہ کے گھر تشریف لے جاتے اور اس کے بعد ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے۔''

ایک مرتبہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا:

ای الناس کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت فاطمۃ فقیل من الرجال؟ قالت زوجھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کس سے محبت تھی؟ فرمایا: فاطمۃ الزہراء سے۔ پھر پوچھا گیا، مردوں میں سے کس سے زیادہ محبت تھی؟ فرمایا: فاطمہ کے شوہر علی سے۔''

مرا جسم بھی تو مری جان بھی تو

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی۔

''فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے' جس نے انہیں ناراض کیا' اس نے مجھے ناراض کیا۔''

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھی بضعۃ منی وھی قلبی وھی روحی من آذاھا فقد اذانی ومن آذانی فقد اذی اللہ۔

''فاطمہ میرا پارۂ گوشت (جگر کا ٹکڑا) ہے' یہ میرا دل ہے' یہ میری روح ہے' جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی' اس نے اللہ کو ایذا دی۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت فاطمۃ الزہراء' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

انا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم۔

''جس سے تمہاری جنگ' اس سے میری جنگ اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح۔''

حضرت مولا علی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فرمایا:

ان اللہ یغضب لغضبک ویرضی لرضاک۔

''اللہ تعالیٰ تمہارے غضب ناک ہونے سے غضب ناک اور تمہاری رضا سے راضی ہوتا ہے۔''

چادر تطہیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝ (الاحزاب ۳۳'۳۳)

''اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمائے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر کے خوب پاکیزہ کرے۔''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین کو بلایا اور اپنی چادر میں ڈھانپ لیا' پھر فرمایا:

اللّٰھم اھلی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا ۔

''اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں' انہیں گناہوں کی آلائش سے محفوظ فرما اور انہیں سراپا طہارت بنا دے۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ (صواعق محرقہ' صفحہ ۱۴۴)

اخلاق

آپ سیرت وصورت اوراخلاق میں اپنے والد گرامی کا صحیح نمونہ تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما رایت احدا اشبہ سمتا ودلاوھدیا برسول اللہ فی قیامھا وقعودھا من فاطمۃ۔

''میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی اور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت واخلاق اور طریقہ کے زیادہ مشابہ نہیں پایا۔ ان کی نشست وبرخاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق تھی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

ما رایت احد اکان اصدق لھجۃ من فاطمۃ الا ان یکون الذی ولدھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

''میں نے سیدہ فاطمہ سے بڑھ کر کبھی کو راست گفتار نہیں پایا سوائے ان کے والد گرامی کے' کہ ان کی بات تو اور ہی ہے۔''

گھریلو زندگی

''آپ نہایت صابرہ' شاکرہ تھیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تو گھر کے سارے کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دیتیں۔''

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنی گھریلو زندگی کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور تمام گھرانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور میری رفیقۂ حیات تھیں۔

فجرت بالرحی حتی اثرات بیدھا واستقت با لقربۃ حتیٰ اثرت فی نحرھا وقمت البیت حتی اغبرت ثیابھا واوقدت

القدر حتی دکنت ثیابھا فاصابھا من ذلك ضر ۔

''چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر چھالے بن گئے تھے' پانی کا مشکیزہ اٹھاتے اٹھاتے سینے پر نشان پڑ گئے تھے' گھر کی صفائی کرتے کرتے اور چولہا جلاتے جلاتے کپڑے گرد و غبار اور دھویں سے آلودہ ہو جاتے جس کی وجہ سے انہیں سخت مشقت اور تکلیف پہنچتی۔''

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا:

قسم بخدا کنویں سے ڈول کھینچتے کھینچتے میرے سینے میں درد اٹھنے لگا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے ہیں' جا کر گھر کے کام کاج کے لیے کوئی قیدی مانگ لائیں۔

حضرت فاطمہ نے کہا:

چکی پیستے پیستے میرے بھی ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

بیٹی کیسے آنا ہوا؟ عرض کی:

سلام کرنے حاضر ہوئی ہوں۔ شرم وحیا کے باعث کچھ نہ کہہ سکیں۔ گھر آئیں تو حضرت علی نے پوچھا، کیا بنا؟ حضرت فاطمہ نے بتایا: میں تو کچھ عرض نہیں کر سکی۔ اس کے بعد حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشکلات گوش گزار کیں اور حرف مطلب زبان پر لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں تمہیں نوکر نہیں دے سکتا جبکہ اہل صفہ بھوک میں مبتلا ہیں' میں انہیں کیا کھلاؤں؟ ان غلاموں کو فروخت کیا جائے گا اور اس رقم سے اہل صفہ کی کفالت کروں گا۔ دونوں میاں بیوی گھر واپس ہوئے تو پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے گھر تشریف لائے' دیکھا کہ دونوں نے ایک چادر اوڑھی ہوئی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ سر

ڈھانپیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور اگر پاؤں ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا رہ جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتا دیکھ کر استقبال کے لیے کھڑے ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ پھر فرمایا:

جو کچھ تم مانگنے آئے تھے' اس سے بہتر چیز تمہیں نہ عطا کر دوں؟

عرض کی' کیوں نہیں۔ فرمایا:

جبریل علیہ السلام نے ذکر الٰہی کے کچھ کلمات کی تعلیم دی ہے' تم ایسا کرو ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ' دس مرتبہ الحمد للہ' دس مرتبہ اللہ اکبر کا ورد کیا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ اور الحمد للہ تینتیس تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ دوسری روایت میں فرمایا: یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

حضرت مولا علی فرماتے ہیں:

فو اللہ' ماتر کتھن منہ علمنیھن رسول اللہ۔

واللہ! جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وظیفہ سکھایا ہے کبھی اس کا ناغہ نہیں کیا۔

امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار

حضرت فاطمہ کی سیرت اپنے بابا جان سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جس طرح آپ علیہ السلام کو اپنی امت سے پیار تھا اور اُمت کے لیے راتوں کو رویا کرتے اسی طرح سیدہ بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کے لیے گریہ وزاری کرتیں۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

امی جان سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ساری ساری رات نوافل میں گزار دیتیں اور بڑی کثرت سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے دعا کرتی رہتیں۔ میں نے عرض کیا، امی جان! کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے لیے دعا نہیں کرتیں۔ فرمایا:

پیارے بیٹے! پہلے دوسروں کا حق ہے' اس سے فراغت پاؤں تو پھر اپنی باری

آئے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۶۱)

فہم وفراست

حضرت سیدہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فہم وفراست اور حکمت وبصیرت سے نوازا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا' عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟

ہم منشائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کوئی جواب نہ دے پائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھر آ کر فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے اس سوال کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فوراً کہا' آپ نے یہ جواب کیوں نہ دیا:

ان لا یرین الرجال ولا یرونھن

''عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس عورت کو دیکھے۔''

حضرت علی' حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں واپس آئے اور سوال کا جواب عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہیں یہ کس نے بتایا ہے؟ عرض کیا، فاطمہ نے۔ فرمایا: وہ میرے جسم کا حصہ ہے۔

نگاہیں جھکا لو

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیکر شرم وحیا تھیں۔ وہ ملت اسلامیہ کی تمام بیٹیوں کو عفت وپاک دامنی کا مجسمہ دیکھنا چاہتی تھیں۔ آپ عورتوں کی بہتری اسی میں سمجھتی تھیں کہ وہ حجاب میں رہیں۔ اپنا حال یہ تھا کہ کبھی سر سے آنچل بھی نہیں سرکنے دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو میدانِ محشر میں بھی خصوصی عزوشرف سے نوازے گا۔ حضرت ابوایوب سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزِ محشر عرش کے پردے کی اوٹ سے ایک منادی

ندا کرے گا۔

''اے اہل محشر! اپنے سروں کو جھکا لو' نگاہیں نیچی کر لو' حتیٰ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ پل صراط سے گزر جائیں' چنانچہ آپ ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں تیز براق کی طرح گزر جائیں گی۔''

(صواعق محرقہ' صفحہ ۱۹۰)

فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا غم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پدر مہربان سے فطری طور پر آپ کو بے حد محبت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور سفر آخرت کی تیاری دیکھ کر بے قرار ہو گئیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھیں' اتنے میں حضرت فاطمہ آئیں' ان کی چال ہوبہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے مطابق تھی۔ انہیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا کہا اور فرمایا:

اے میری بیٹی! پھر انہیں اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھا لیا اور سرگوشی میں کوئی بات فرمائی' جسے سن کر وہ سخت روئیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے قراری دیکھی تو دوبارہ سرگوشی کی' جس سے وہ ہنسیں۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو میں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا فرمایا تھا؟ حضرت فاطمہ نے کہا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کیوں افشاء کروں؟

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے تو میں نے حضرت فاطمہ سے کہا: میرا آپ پر جو حق ہے اس کی قسم دے کر سوال کرتی ہوں' مجھے بتائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا کہا تھا؟ حضرت فاطمہ نے کہا ہاں! اب بتاتی ہوں۔

پہلی بار جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کی تو یہ خبر دی کہ جبریل علیہ السلام ہر

سال مجھ سے ایک بار قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے اس دفعہ انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے۔ گمان یہی ہے کہ اب میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ تم اللہ سے ڈرنا اور صبر سے کام لینا کیونکہ میں تمہارا اچھا پیشرو ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس بات کی وجہ سے مجھ پر گریہ طاری ہوا تھا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بے قراری دیکھی تو دوبارہ رازدارانہ انداز میں فرمایا:

یا فاطمة اما ترضین ان تکونی سیدة نساء المؤمنین او سیدة نساء هذه الامة ۔

''اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اس بات پر میں ہنس دی۔

قبر اطہر پر حاضری

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر پر حاضر ہو کر رونے لگیں اور قبر اطہر سے مٹی اٹھا کر اپنے چہرے پر ملی اور آنکھوں میں ڈال کر یہ شعر پڑھے

ماذا علی من شم تربة احمد
ان لا یشم صدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام عدن لیالیا

جو شخص احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی مٹی کو سونگھ لے تو اسے عمر بھر کسی اور قیمتی خوشبو سونگھنے کی حاجت نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں کہ اگر یہ دنوں پر گریں تو راتیں ہو جاتیں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ دنیا سے رخصت فرمانے تک کبھی نہ ہنسیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے صدمہ میں گھلتی رہیں اور

ہمہ وقت شوقِ ملاقات کی متمنی رہیں۔

پردہ کی وصیت

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی زوجہ مطہرہ) سے فرمایا:

میں اس بات کو ناپسند کرتی ہوں کہ میرا جنازہ کھلا لے جایا جائے جس طرح کہ عام طور پر میت کے اوپر صرف چادر ڈال دی جاتی ہے۔ حضرت اسماء نے کہا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی! میں نے حبشہ کے علاقہ میں یہ طریقہ دیکھا ہے کہ جنازہ کی چارپائی پر درخت کی شاخیں لگا کر ان پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے (چنانچہ ٹہنیاں منگوا کر اس کا عملی مظاہرہ کیا) حضرت فاطمہ نے اسے بے حد پسند فرمایا اور وصیت فرمائی کہ جب میری وفات ہو جائے تو تم اور حضرت علی مجھے غسل دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسلام میں وہ پہلی خاتون ہیں جن کے جنازے کو پردہ لگایا گیا۔ (اسد الغابہ، جلد ۵، صفحہ ۵۲۴)

غسل

طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدہ فاطمہ نے اپنی وفات کے دن بہت اچھی طرح غسل کیا، نئے کپڑے پہنے، پھر فرمایا:

میری چارپائی کو صحن کے درمیان میں رکھ دو۔ آپ رضی اللہ عنہا اس پر قبلہ رو ہو کر لیٹ گئیں اور فرمایا: ابھی تھوڑی دیر بعد میری روح پرواز کرنے والی ہے، میں نے غسل کر لیا ہے اب کوئی میرے جسم کو ننگا نہ کرے۔

دوسری روایت (جسے حافظ ابن اکثیر نے ترجیح دی ہے) کے مطابق بوقت وصال سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو غسل کی وصیت فرمائی تھی:

لما حضرتها الوفاة اوصت الٰی اسماء بنت عمیس امراۃ

الصديق ان تغسلها فغسلتها هي وعلي ابن ابي طالب وسمي ام رافع .

جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا، آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس کو غسل کی وصیت کی۔ چنانچہ انہوں نے حسب وصیت غسل دیا، ان کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ام رافع سمی بھی غسل کے انتظام وانصرام میں شریک ہوئے۔

وصال

امام ابن جوزی لکھتے ہیں کہ سیدہ کا وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چھ ماہ بعد تین رمضان المبارک ۱۱ ہجری منگل کی رات کو ہوا۔ اس وقت آپ اٹھائیس سال چھ ماہ کی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھایا اور وصال کے بعد اسی رات جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔

محب طبری لکھتے ہیں کہ آپ کا جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ آپ کی قبر اطہر پر حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے

حبيب ليس بي بعد حبيب
وما سواه في قلبي نصيب
حبيب غاب عن عيني وجسمي
وعن قلبي حبيبي لا يغيب

''محبوب (رفیقہ حیات) جس کے بعد اور کوئی محبوب نہیں اور اس کے ماسوا میرے دل میں کسی اور کی جگہ نہیں ہے وہ پیاری شخصیت جو میری آنکھوں اور جسم سے اوجھل ہوگئی دل میں اسی طرح موجود ہے۔''

علامہ اقبال کا ہدیۂ عقیدت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ ہدیۂ عقیدت بھی شامل کتاب کر دیا جائے جو نباض ملت حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے نہایت عمدہ انداز میں آپ کی عظمت وانفرادیت' عبادت وریاضت' عفت وپاک دامنی' شرم وحیا' فقر واستغناء' صبر ورضا' وفاشعاری اور اولاد کی اعلیٰ تربیت جیسی خوبیوں کو بڑے احسن پیرائے میں سمو دیا ہے تاکہ دختران اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور اسلام کی مایہ ناز ہستی کے اسوہ کو اپنا آئیڈیل اور نمونۂ حیات بنالیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز　　　از سہ نسبت' حضرت زہرا عزیز

حضرت مریم کی عزت ومرتبہ صرف ایک نسبت سے ثابت ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں' مگر سیدہ فاطمۃ الزہراء کی عزت ومرتبہ تین نسبتوں سے ثابت ہے۔

نورِ چشم رحمۃ للعالمین ﷺ　　　آں امام اولین وآخریں

آن کہ جاں در پیکر گیتی دمید　　　روزگارِ تازہ آئیں آفرید

ایک تو آپ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انسانیت کے قائد وامام صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کا نور اور لخت جگر ہیں' وہ ہستی کہ جنہوں نے روئے زمین کے جسم میں ازسرنو جان ڈالی اور ایک نئے نظام اور نئے عہد کی تخلیق فرمائی۔

بانوے آں تاج دار ھل اتیٰ　　　مرتضیٰ' مشکل کشا' شیر خدا

پادشاہ وکلبۂ ایوانِ او　　　یک حسام ویک زرہ سامانِ او

آپ کی دوسری نسبت یہ ہے کہ آپ اس ہستی کی رفیقۂ حیات ہیں جن کا مرتبہ ومقام یہ ہے کہ وہ سورۃ الدھر کی آیت کریمہ "وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ

مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۝" کے مصداق ہونے کے ساتھ ساتھ مرتضیٰ بھی ہیں۔ مشکل کشا اور شیر خدا بھی، وہ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کہ بادشاہ وقت ہوتے ہوئے بھی ان کا شاہی دربار ایک جھونپڑی سے عبارت تھا، ایک ذوالفقار حیدری اور ایک زرہ ان کی کل کائنات تھی۔

مادر آں مرکز پرکار عشق　　　مادر آں کارواں سالارِ عشق

سیدہ فاطمۃ الزہراء کی عزت وعظمت کی تیسری نسبت یہ ہے کہ آپ حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی والدہ ماجدہ ہیں جن میں سے ایک عشق کی رونق اور رعنائی کا مرکز تھے اور دوسرے اسی قافلۂ عشق ربانی کے سالار ومیر کارواں تھے۔

آں یکے شمع شبستانِ حرم　　　حافظ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتش پیکار وکیں　　　پشت پا زد بر سر تاج ونگیں

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزندوں میں سے ایک تو وہ ہیں جو بیت اللہ کے لیے شمع روشن کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہتر امت یعنی ملت اسلامیہ کے اتحاد کے محافظ ہیں۔ جنگ اور حسد کی آگ بجھانے کی خاطر آپ نے تخت وتاج کو ٹھکرا دیا تھا۔

واں دگر مولائے ابرارِ جہاں　　　قوتِ بازوئے احرار جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسین　　　اہل حق حریت آموز از حسین

اور وہ جو دوسری ہستی ہیں یعنی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تو وہ دنیائے تقویٰ کے نیک لوگوں کے آقا اور حریت پسندوں کے لیے قوت بازو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زندگی کے ساز میں سوز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مرہونِ منت ہے اور اہل حق کو آزادی کا سبق دینے والے بھی وہی ہیں۔

سیرت فرزند ہا از امہات　　　جوہر صدق وصفا از امہات

مزرع تسلیم را حاصل بتول　　　مادراں را اسوۂ کامل بتول

اولاد کی تربیت ماں کی گود سے جنم لیتی ہے اور صدق وصفا کے جوہر ماں کی تربیت سے حاصل ہوتے ہیں۔ سرِ تسلیم خم کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا نچوڑ سیدہ زہراء بتول رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہی ہستی ہے جو ماؤں کے لیے ایک کامل نمونہ بھی ہیں۔

بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت　　　با یہودے چادرِ خود را فروخت

روایت ہے کہ ایک فقیر بے نوا کی حالت پر ان کا دل اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی چادر تک ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر ڈالی۔

نوری وہم آتشی فرماں برش　　　گم رضایش در رضائے شوہرش

آں ادب پروردۂ صبر ورضا　　　آسیا گرداں ولب قرآں سرا

وہ ایک ایسی ہستی تھیں کہ تمام جن وملک ان کے مطیع وغلام تھے مگر وہ خود اپنے شوہر کی خوشنودی میں اپنی ہستی تک کو فراموش کئے ہوئے تھیں۔

انہوں نے صبر اور رضائے الٰہی کے ایسے ماحول میں تربیت پائی تھی کہ وہ ایک طرف چکی پیستی جاتی تھیں اور دوسری جانب زبان پر قرآن کریم کی آیات رواں رہتی تھیں۔

گریہ ہائے اوز بالیں بے نیاز　　　گوہر افشاندے بدامان نماز

اشک او بر چید جبریل از زمین　　　ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں

ان کی آہ وزاری کسی تکیے کی محتاج نہ تھی۔ نماز پڑھتے وقت ان کی چشم اطاعت گزار سے آنسو موتی بن کر ٹپکتے تھے۔ یہی آنسو جبریل امین علیہ السلام زمین سے اٹھاتے اور قطرۂ شبنم کی طرح عرش بریں پر انڈیلتے جاتے۔

رشتۂ آئین حق زنجیر پاست　　　پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم است

ورنہ گرد تربتش گردیدمے　　　سجدہ ہا برخاک او پاشیدمے

شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ڈوری پاؤں کی زنجیر ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پاسداری مطلوب ہے ورنہ دیوانہ وار آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی قبرِ اطہر کے طواف اور وہاں سجدہ ریزی کے لیے دل بے قرار ہے۔

حضرت فاطمہ کی شان میں احادیث

عن ام سلمة رضی اللّٰه عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم جمع فاطمة وحسنا وحسینا ثم ادخلهم تحت ثوبه ثم قال اللّٰهم هؤلاء اهلِ بیتی .

''ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ اور حسن و حسین کو جمع فرما کر ان کو اپنی چادر میں لے لیا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں''۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۵۳، رقم: ۲۶۶۳)

عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه قال: لما نزلت هذه الایة (فقل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم) دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم علیا وفاطمة وحسنا وحسینا فقال: اللّٰهم هؤلاء اهلی .

(ترجمہ اوپر والی حدیث کے ضمن میں گزر چکا)

(۱- مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۷۱، کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ۲۴۰۴)

(۲- ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۲۵، کتاب تفسیر القرآن، رقم: ۲۹۹۶)

(۳- احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۸۵، رقم: ۱۶۰۸)

(۴- حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۳، رقم: ۴۷۱۹)

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه فی قوله (اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ) قال: نزلت خمسة فی رسول صلی الله علیه وسلم وعلی وفاطمة والحسن والحسین .

(۱-طبرانی، المعجم الاوسط، ۳: ۳۸۰، رقم: ۳۴۵۶)

(۲-طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۲۳، رقم: ۳۲۵)

(۳-ابن حبان، طبقات المحدثین، ۳: ۳۸۴)

(۴-خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۰: ۲۷۸)

(۵-طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۲: ۶)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک وصاف کر دے'' کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ ان پانچ ہستیوں کے بارے میں نازل ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم۔

فائدہ

انہی پانچ ہستیوں کی متذکرہ تخصیص کے باعث عامۃ المسلمین میں ''پنجتن'' کی اصلاح مشہور ہے جو شرعاً درست ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ یا اعتقادی غلو ہرگز نہیں۔

عن عمر بن الخطاب قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کل بنی انثی عصبتھم لابیھم ماخلا ولد فاطمۃ فانی أنا عصبتھم وأنا أبوھم.

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۴، رقم: ۲۶۳۱)

اس روایت میں بشر بن مہران کو ابن حبان نے (الثقات، ۸: ۱۴۰) میں ثقہ شمار کیا ہے۔

''حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ہر عورت کے بیٹوں کی نسبت ان کے باپ کی طرف ہوتی ہے ماسوائے فاطمہ کی اولاد کہ میں ہی ان کا نسب ہوں اور میں ہی ان کا باپ ہوں۔''

عن مسروق: حدثتنی عائشۃ أم المومنین رضی اللہ عنھا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا فاطمۃ!

الاترضين ان تكوني سيدة نساء المومنين أو سيدة نساء هذه الأمة ۔

(ترجمہ گزر چکا)

(۱-بخاری' الصحیح' ۵: ۲۳۱۷' رقم: ۵۹۲۸)

(۲-مسلم' الصحیح' ۴: ۱۹۰۵' رقم: ۲۴۵۰)

(۳-نسائی' فضائل الصحابہ: ۷۷' رقم: ۲۶۳)

(۴-احمد بن حنبل' فضائل الصحابہ' ۲: ۷۶۲' رقم: ۱۳۴۲)

(۵-طیالسی' المسند ۱۹۶' رقم: ۱۳۷۳)

(۶-ابن سعد' الطبقات الکبریٰ' ۲: ۲۴۷)

(۷-دولابی' الذریۃ الطاہرہ: ۱۰۱' ۱۰۲' رقم: ۱۸۸)

(۸-ابونعیم' حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء' ۲: ۳۹' ۴۰)

(۹-ذہبی' سیر اعلام النبلاء' ۲: ۱۳۰)

عن ابی هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان ملكا من السماء لم يكن زارني' فاستأذن الله في زيارتي' فبشرني أو اخبرني أن فاطمة سيده نساء امتي .

''حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان کے ایک فرشتے نے میری زیارت نہیں کی تھی۔ پس اس نے اللہ سے میری زیارت کی اجازت لی اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی (یا) مجھے خبر دی کہ فاطمہ میری امت کی سب عورتوں کی سردار ہیں۔''

(۱-طبرانی' المعجم الکبیر' ۲۲: ۴۰۳' رقم: ۱۰۰۶)

(۲-بخاری' التاریخ الکبیر' ۱: ۲۳۲' رقم: ۷۲۸)

(۳-ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹: ۲۰۱) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح ہیں' سوائے محمد بن مروان ذہلی کے' اسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے)۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: خط رسول صلى الله عليه وسلم في الارض اربعة خطوط ۔ قال: تدرون ما هذا؟ فقالوا: الله ورسوله اعلم ۔ فقال رسول صلى الله عليه وسلم افضل نساء اهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمه بنت محمد وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون، ومريم ابنة عمران رضى الله عنهن اجمعين ۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی تمام عورتوں میں سے افضل ترین چار ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران رضی اللہ عنہن۔

(۱-احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۳، ۳۱۶)

(۲-نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۹۳، ۹۴، رقم: ۸۳۵۵، ۸۳۶۴)

(۳-نسائی، فضائل الصحابہ: ۷۴، ۷۶، رقم: ۲۵۰، ۲۵۹)

(۴-ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۷۰، رقم: ۷۰۱۰)

(۵-حاکم، المستدرک، ۲: ۵۳۹، رقم: ۳۸۳۶)

(۶-حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۴، ۲۰۵، رقم: ۴۷۵۴، ۴۸۵۲)

(۷-احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۷۶۰، ۱۱۷، رقم: ۱۳۳۹)

(۸-ابو یعلیٰ، المسند، ۵: ۱۱۰، رقم: ۲۷۲۲)

(۹-شیبانی، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۴، رقم: ۲۹۶۲)

(۱۰-عبد بن حمید، المسند، ۱: ۲۰۵، رقم: ۵۹۷)

(۱۱-طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۳۳۶، رقم: ۱۱۹۲۸)

(۱۲-طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۷، رقم: ۱۰۱۹)

(۱۳-طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۳: ۷، رقم: ۲۱)

(۱۴-بیہقی، الاعتقاد: ۳۲۹)

(۱۵-ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۴: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲)

(۱۶-نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۲: ۶۰۸)

(۱۷-ذہبی نے 'سیر اعلام النبلاء' (۲: ۱۲۴) میں اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث قرار دیا ہے۔)

(۱۸-ہیثمی نے 'مجمع الزوائد (۹: ۲۲۳) میں کہا ہے کہ اسے احمد، یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان کی بیان کردہ روایت کے رجال صحیح ہیں۔)

(۱۹-عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۴۴۷)

(۲۰-حسینی، البیان والتعریف، ۱۰: ۱۲۳، رقم: ۳۱۶)

عن صالح قال: قالت عائشة الفاطمة بنت محمد: ألا ابشرك أنـي سـمـعـت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سيدات أهـل الـجنة اربع: مريم بنت عمران، وفاطمة بنت رسول الله صـلـى الله عـلـيـه وسـلـم وخديجة بنت خويلد، وآسية امراة فرعون.

''حضرت صالح روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں (وہ یہ کہ) میں نے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: اہل بیت کی عورتوں کی سردار صرف چار خواتین ہیں: مریم بنت عمران، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خدیجہ بنت خویلد اور فرعون کی بیوی آسیہ۔ (۱-احمد بن

حنبل فضائل الصحابہ ۲: ۷۶۰، رقم: ۱۳۲۶)

اللہ تعالیٰ نے فاطمہ اور آلِ فاطمہ پر جہنم کی آگ حرام کردی

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لفاطمة رضي الله عنها: ان الله غير معذبك ولا ولدك.

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو آگ کا عذاب نہیں دے گا۔''

(۱- طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۲۱۰، رقم: ۱۱۶۸۵)

(۲- ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹: ۲۰۲) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں)

سیدہ سلام اللہ علیہا۔۔۔ لختِ جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عن المسور بن مخرمه: ان رسول صلى الله عليه وسلم قال: فاطمه بغضعة مني فمن اغضبها أغضبني.

''حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میری جان ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''

(۱- بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۱، رقم: ۳۵۱۰)

(۲- بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۷۴، رقم: ۳۵۵۶)

(۳- مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۰۳، رقم: ۲۴۴۹)

(۴- ابن ابی شیبہ نے المصنف (۶: ۳۸۸، رقم: ۳۲۲۶۹) میں یہ حدیث حضرت علی سے روایت کی ہے۔)

(۵-ابوعوانہ المسند ۳:۵۷ رقم: ۴۲۳۳)

(۶-شیبانی الآحاد والمثانی ۵:۳۶۱ رقم: ۲۹۵۴)

(۷-طبرانی المعجم الکبیر ۲۲:۴۰۴ رقم: ۱۰۱۳)

(۸-حاکم المستدرک ۳:۱۷۲ رقم: ۴۷۴۷)

(۹-بیہقی السنن الکبریٰ ۱۰:۲۰۱)

(۱۰-دیلمی الفردوس بماثور الخطاب ۳:۱۴۵ رقم: ۴۳۸۹)

عن عائشة ام المومنين رضى الله عنها قالت: كانت فاطمة اذا دخلت عليه صلى الله عليه وسلم قام ايها فقبلها و رحب بها وأخذ بيدها فأجلسها في مجلسه ، و كانت هي اذا دخل عليها رسول صلى الله عليه وسلم قامت اليه مستقبلة و قبلت به ٥

''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ کو خوش آمدید کہتے' کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے' ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیتے اور انہیں اپنی نشست پر بٹھا لیتے۔

(حاکم المستدرک ۳:۱۷۴ رقم ۴۷۵۳)

سیدہ رضی اللہ عنہا روئے زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مرکز خاص

عن جميع عمير التيمي: قال' دخلت مع عمتي على عائشة' فسئلت اى الناس كان أحب الى رسول صلى الله عليه وسلم ! قالت: فاطمة فقيل: من الرجال' قالت: زوجها ان كان ما علمت صواما قواما .

''حضرت جمیع بن عمیر تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون زیادہ محبوب تھا؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ عرض کیا گیا مردوں میں سے (کون محبوب تھا)؟ فرمایا: ان کے شوہر، جہاں تک میں جانتی ہوں وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور راتوں کو عبادت کے لیے بہت قیام کرنے والے تھے۔

(۱- ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۷۰۱، رقم: ۳۸۷۴)

(۲- طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۳، ۴۰۴، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹)

(۳- حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۱، رقم: ۴۷۴۴)

عن ابی بریدة، عن ابیه قال: کان احب النساء الی رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فاطمة ومن الرجال علی

''حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمۃ الزہرا سے تھی اور مردوں میں سے حضرت علی سب سے زیادہ محبوب تھے۔

(۱- ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۹۸، رقم: ۳۸۲۸)

(۲- نسائی نے السنن الکبریٰ (۵: ۱۴۰، رقم: ۸۴۹۸) میں ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے)۔

(۳- طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۱۹۹، رقم: ۷۲۶۲)

(۴- حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۸، رقم: ۴۷۳۵)

حضرت فاطمہ کی رضا اللہ کی رضا اور ان کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی

عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول صلی الله علیه وسلم لفاطمة: ان الله یغضب لغضبك ویرضی لرضاك۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا: بے شک! اللہ تعالیٰ تیری ناراضگی پر ناراض اور تیری رضا پر راضی ہوتا ہے۔''

(۱-حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۷، رقم: ۴۷۳۰)

(۲-ابو یعلی، المعجم: ۱۹۰، رقم: ۲۲۰)

(۳-شیبانی الآحاد والمثانی، ۵: ۳۶۳، رقم: ۲۹۵۹)

(۴-طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۱۰۸، رقم: ۱۸۲)

(۵-طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۱، رقم: ۱۰۰۱)

حضرت علی سے سیدہ فاطمہ کے نکاح کا حکم خود باری تعالیٰ نے دیا

''حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔''

۱-طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۵۶، رقم: ۱۰۳۰۵

۲-طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۰۷، رقم: ۱۰۲۰

۳-ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹: ۲۰۴) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہے۔

۴- کنز العمال، رقم: ۳۲۸۹۱، ۳۲۹۲۹

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا انس! اتدری ماجاء نی بہ جبریل من صاحب العرش؟ قال ان اللہ امرنی أن أزواج فاطمۃ من علی۔

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! کیا تم جانتے ہو کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس صاحب عرش کا کیا پیغام لائے ہیں؟ پھر فرمایا! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔

۱۔ حسینی نے ''البیان التعریف (۲:۳۰۱، رقم: ۱۸۰۳) میں کہا ہے کہ اسے قزوینی خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۲۔ محب طبری ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۱

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ملاءِ اعلیٰ میں نکاح اور چالیس ہزار ملائکہ کی شرکت

عن أنس رضي الله عنه، قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد، اذقال صلى الله عليه وسلم لعلي: هذا جبريل يخبرني أن الله جل جلاله زوجك فاطمة، وأشهد على تزويجك اربعين ألف ملك وأوحى الى شجرة طوبى أن انثري عليهم الدر والياقوت، فنثرت عليهم الدر والياقوت، فابتدرت اليه الحور العين يلتقطن من اطباق الدر والياقوت فهم يتهادونه بينهم الى يوم القيامة۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ جبریل ہے جو مجھے یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ سے تمہاری شادی کر دی ہے اور تمہارے نکاح پر چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ کے طور پر مجلس نکاح میں شریک کیا گیا اور شجرۂ طوبیٰ سے فرمایا: ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کر دو پھر دلکش آنکھوں والی حوریں ان موتیوں اور یاقوتوں سے تھال بھرنے لگیں جنہیں (تقریب نکاح میں شرکت کرنے والے) فرشتے قیامت تک ایک دوسرے کو بطور تحفہ دیں گے۔''

۱۔ محب طبری نے الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ (۳:۱۴۶) میں کہا ہے کہ اسے 'السیرۃ' میں روایت کیا گیا ہے۔

۲۔ محب طبری ذخائر العقبیٰ ذوی القربیٰ: ۲

عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أتاني ملك: فقال: يا محمد! ان الله تعالىٰ يقرأ عليك السلام، ويقول لك: اني قد زوجت فاطمة ابنتك من علي بن ابي طالب في الملاء الأعلى فزوجها منه في الأرض ۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ایک فرشتے نے آ کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے ''میں نے آپ کی بیٹی فاطمہ کا نکاح ملاءِ اعلیٰ میں علی بن ابی طالب سے کر دیا۔ پس آپ زمین پر بھی فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیں۔''

(محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۷۲)

روزِ قیامت سیدہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر سب اہل محشر نگاہیں جھکا لیں گے

عن علي رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: اذا كان يوم القيامة نادى مناد من وراء الحجاب: يا أهل الجمع! غضوا أبصاركم عن فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم حتى تمر ۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: قیامت کے دن ایک نداء دینے والا پردے کے پیچھے سے آواز دے گا: اے اہل محشر! اپنی نگاہیں جھکا لو تا کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزر جائیں۔''

۱- حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۶، رقم: ۴۷۲۸

۲- محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۹۴

۳- ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ۷: ۲۲۰

۴-عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۱:۱، رقم:۲۶۳

سیدہ رضی اللہ عنہا اور اُن کا گھرانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا

عن علي رضي الله عنه قال: أخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أول من يدخل الجنة أنا وفاطمة والحسن والحسين. قلت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! فمحبونا؟ قال! من ورائكم.

''حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا: (میرے ساتھ) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں میں، فاطمہ، حسن اور حسین ہوں گے۔ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے محبت کرنے والے کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پیچھے ہوں گے۔''

۱-حاکم، المستدرک، ۳:۱۶۴، رقم:۴۷۲۳

۲-ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۱۴:۱۷۳

۳-ہندی کنز العمال، ۱۲:۹۸، رقم:۳۴۱۶۶

۴-ہیثمی نے الصواعق المحرقة (۲:۴۴۸) میں کہا ہے کہ اسے ابن سعد نے روایت کیا ہے۔

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرات! حمد وصلاۃ کے بعد قرآن مقدس کی آیت کریمہ کے جس ٹکڑے کی تلاوت کا شرف ہم نے حاصل کیا یعنی قد جآء کم من الله نور اس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے پاس نور آ گیا۔ اس آیت کریمہ میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے اور نور وہ ہے جو خود روشن و چمکدار ہو اور دوسرے کو بھی روشن و چمکدار بنائے۔ دیکھئے آفتاب نور ہے جو روشن وتابناک ہے اور جس پر وہ اپنا عکس ڈالتا

ہے اسے بھی روشن و تابناک بنا دیتا ہے مگر وہ صرف ظاہر کو چمکاتا ہے اور ہمارے آقا و مولا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نور ہیں جو ظاہر و باطن دونوں کو چمکاتے ہیں۔ تو جو لوگ کہ اس نور سے چمکے وہ خوب چمکے پھر ان میں جو نور کی گود میں کھیل کر بڑے ہوئے یعنی نواسۂ رسول سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تو وہ ایسے چمکے کہ اپنے تو اپنے اغیار کی آنکھیں بھی ان کی چمک سے چکا چوند ہیں اور یزیدیوں کی ہزار مخالفت کے باوجود ان شاء اللہ وہ قیامت تک ایسے ہی چمکتے رہیں گے۔ اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آل سیدنا و مولانا محمد و بارك وسلم ۔

آپ کی ولادت

برادران ملت! سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارکہ ۵ شعبان ۴ ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی' منہ میں لعاب دہن ڈالا اور آپ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا اور عقیقہ کیا۔ حضرت امام حسین کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ''سبط رسول'' و ''ریحانۃ الرسول'' ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبر و شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا۔ (الصواعق محرقہ' ص ۱۱۸)

اس لیے حسنین کریمین کو شبر و شبیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سریانی زبان میں شبر و شبیر اور عربی زبان میں حسن و حسین دونوں کے معنی ایک ہیں اور حدیث میں ہے کہ الحسن والحسین اسمان من اھل الجنۃ یعنی حسن اور حسین جنتی ناموں میں سے دو نام ہیں۔ عرب کے زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں نام نہیں تھے۔ (الصواعق محرقہ' ص ۱۱۸)

ابن الاعرابی حضرت مفضل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام مخفی رکھے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔

(اشرف المؤبد' ص ۷۰)

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت عباس بن المطلب کی اہلیہ محترمہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں ڈر گئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ بہت سخت ہے جس کے بیان کی میں اپنے اندر جرأت نہیں پاتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیان کرو۔ تو انہوں نے عرض کیا: میں نے یہ دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: تمہارا خواب بہت اچھا ہے۔ ان شاء اللہ فاطمۃ الزہرا کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں دیئے گئے۔ (مشکوٰۃ، ص ۵۷۲)

آپ کے فضائل

برادران اسلام! حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ آپ حضرات پہلے ان دو آیتوں کو سماعت فرمائیں جو صرف آپ کے مناقب میں ہیں پھر حدیثیں کہ دونوں اشیاء ہزاروں فضائل کو شامل ہیں وہ بعد میں پیش کی جائیں گی۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین رضی اللہ عنہ کو فرمایا: حسین منی و انا من الحسین حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں یعنی حسین کو حضور سے اور حضور کو حسین سے انتہائی قرب ہے گویا کہ دونوں ایک ہیں تو حسین کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسین سے انتہائی دوستی ہے۔ حسین سے دشمنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی ہے اور حسین سے لڑائی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

لڑائی کرنا ہے۔سرکار ارشاد فرماتے ہیں: احب اللہ من احب حسینا جس نے حسین سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ (مشکوٰۃ، ص:۵۷۱)

اس لیے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ص۵:۶:۵۷)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے پسند ہو کہ جنتی نوجوانوں کے سردار کو دیکھے تو وہ حسین بن علی کو دیکھے۔

(نور الابصار، ص:۱۱۴)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا، چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کردیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا پھر فرمایا: اللّٰھم انی احبہ و احب من یحبہ یعنی اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اس سے محبت کرے۔ (نور الابصار، ص۱۱۴)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دنیا والوں ہی سے نہیں چاہا کہ وہ حضرت امام حسین سے محبت کریں بلکہ خدائے تعالیٰ سے بھی عرض کیا کہ تو بھی اس سے محبت فرما اور بلکہ یہ بھی عرض کیا کہ حسین سے محبت کرنے والے سے بھی محبت فرما۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لعاب دہن کو اس طرح چوستے جیسے کہ آدمی کھجور چوستا ہے۔یمتص لعاب الحسین کما یمتص الرجل التمرہ

(نور الابصار، ۱۱۴)

اور مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف

فرماتے۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

''آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔'' (اشرف المؤبد' ص ۶۵)

حضرت امام حسین نے پیدل چل کر ۲۵ حج کیے۔ آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے اور کثرت سے نماز' روزہ' حج' صدقہ اور دیگر امورِ خیر ادا فرماتے تھے۔

(برکات آلِ رسول' ص ۱۴۵)

حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے داہنے اور اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے بائیں بٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدائے تعالیٰ ان دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع نہ رہنے دے گا۔ ان میں سے ایک کو واپس بلا لے گا۔ اب ان دونوں میں سے جسے آپ چاہیں پسند فرمالیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حسین رخصت ہو جائیں تو ان کی جدائی میں فاطمہ' علی کو تکلیف ہوگی اور میری جان سوزی بھی ہوگی اور اگر ابراہیم وفات پا گئے تو زیادہ غم مجھی کو ہوگا اس لیے مجھے اپنا غم پسند ہے۔ اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔

اس کے بعد جب بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرحبا فرماتے۔ پھر ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ میں نے حسین پر اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا ہے۔

(شواہد النبوۃ' ص ۳۰۵)

اب وہ روایتیں ملاحظہ فرمایئے جو دونوں صاحبزادوں کے فضائل پر مشتمل ہیں۔

حضرت ابوسعد خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحسن و الحسین سیّد اشباب اھل الجنۃ یعنی حسن اور حسین جنتی

جوانوں کے سردار ہیں۔(مشکوٰۃ ص۵۷۰)

اورحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الحسن والحسین همارا ریحانی من الدنیا یعنی حسن اور حسین دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔(مشکوٰۃ ص۵۷۰)

اورحضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے جسے میں نہیں جان سکا۔ جب عرض حاجت سے فارغ ہوا تو دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر مبارک ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هذا ان ابنای وابنا ابنتی یعنی یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں اور پھر فرمایا: اللّٰهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهما یعنی اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور جوان سے محبت کرتا ہے اس کو بھی محبوب رکھ۔

(مشکوٰۃ ص۵۷۰)

اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کندھے پر حضرت حسن اور دوسرے کندھے پر حضرت حسین کو اٹھائے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے قریب تشریف لے آئے اور فرمایا: جس نے ان دونوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔(اشرف المؤبد ص۷۱)

اورحضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حسن اور حسین کو لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسے ہیں انہیں کچھ عطا فرمایئے۔ تو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا! اما حسن فلہ ھیبتی وسودی واما حسین فلہ جرأتی وجـــــودی یعنی حسن کے لیے میری ہیبت وسیادت اور حسین کے لیے میری جرأت وسخاوت ہے۔ (اشرف المؤبد ص ۷۲)

اور جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کم سنی کے زمانہ میں ایک دوسرے سے کشتی لڑ رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے یہ کشتی ملاحظہ فرما رہے تھے تو حضرت حسن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسین کو پکڑ لو۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو انہیں تعجب ہوا اور عرض کیا ابا جان! آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسری طرف حضرت جبریل امین علیہ السلام حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑ لو۔ (نور الابصار ص ۱۱۴)

یزیدی آنکھیں کھول کر دیکھ لیں حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا وہ مقام ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام آ کر ان کے درمیان کشتی کرا رہے ہیں۔

اور حضرت علامہ نسفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حسنین کریمین نے دو تختیاں لکھیں۔ ہر ایک نے کہا کہ میری تحریر اچھی ہے تو فیصلے کے لیے اپنے ابا جان حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس لے گئے۔ آپ نے بڑے بڑے حیرت انگیز فیصلے فرمائے ہیں مگر یہ فیصلہ نہ فرما سکے۔ اس لیے کہ کسی صاحبزادے کی دل شکنی منظور نہ تھی۔ فرمایا کہ اپنی اماں کے پاس لے جاؤ۔ دونوں شہزادے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اماں جان! آپ فیصلہ فرما دیں کہ ہم میں سے کس نے اچھا لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکوں گی' اس معاملہ کو تم اپنے نانا جان کے پاس لے جاؤ۔ شہزادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا: نانا جان! آپ فیصلہ فرما دیں کہ ہم میں سے کس کی تحریر اچھی ہے؟ ساری دنیا کا فیصلہ فرمانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ اگر حسن کی تحریر کو اچھا کہوں تو حسین کو ملال ہوگا اور اگر حسین کی تحریر کو

عمدہ کہوں تو حسن کو رنج ہوگا اور کسی کا رنجیدہ ہونا انہیں گوارا نہیں تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کریں گے۔ حضرت جبریل علیہ السلام بحکم خداوندی حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا فیصلہ خداوند قدوس فرمائے گا۔ میں اس کے حکم سے ایک سیب لایا ہوں۔ میں اس جنتی سیب کو تختیوں پر گراؤں گا جس تختی پر یہ سیب گرے گا فیصلہ ہو جائے گا کہ اس تختی کی تحریر اچھی ہے۔ اب دونوں تختیاں اکٹھی رکھی گئیں اور حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اوپر سے ان تختیوں پر سیب گرایا۔ اس طرح اللہ ہی کے حکم سے سیب کٹ کر آدھا ایک تختی پر اور دوسرا آدھا دوسری تختی پر گرا۔ اس طرح احکم الحاکمین جل جلالہ نے فیصلہ فرما دیا کہ دونوں شہزادوں کی تحریریں اچھی ہیں اور کسی ایک کی تحریر کو اچھا قرار دے کر دوسرے کی دل شکنی گوارا نہ فرمائی۔ (نزہۃ المجالس، ص ۳۹۰، ج ۲)

خداوند قدوس کی بارگاہ میں حسنین کریمین کا یہ مقام ہے مگر افسوس کہ مخالفین کو ان کی عظمت و رفعت نظر نہیں آتی۔

آپ کی شہادت کی شہرت

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی شہادت بھی مشہور ہو گئی۔ حضرت علی، حضرت فاطمۃ زہرہ اور دیگر صحابہ اور اہلِ بیت کے جانثار رضی اللہ عنہم سبھی لوگ آپ کے زمانہ شیر خوارگی ہی میں جان گئے کہ یہ فرزند ارجمند ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیا جائے گا اور ان کا خون نہایت بے دردی کے ساتھ زمین کربلا میں بہایا جائے گا جیسا کہ ان احادیث کریمہ سے ثابت ہے جو آپ کی شہادت کے بارے میں وارد ہیں۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا یعنی حضرت عباس کی زوجہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔ پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور انہوں نے خبر یہ پہنچائی کہ ان امتی ستقتل ابنی ھذا میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس فرزند کو شہید کر دے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام میرے پاس اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (مشکوٰۃ، ص ۵۷۲)

اور ابن سعد و طبرانی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریل امین علیہ السلام نے مجھے خبر دی ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف میرا بیٹا حسین میرے بعد ارض طف میں قتل کیا جائے گا اور جبریل امین علیہ السلام میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی لائے اور مجھ سے کہا کہ یہ حسین کی خوابگاہ (مقتل) کی مٹی ہے۔ طف قریب کوفہ اس مقام کا نام ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (الصواعق المحرقہ، ص ۱۱۸)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بارش کے فرشتہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے خداوند قدس سے اجازت طلب کی۔ جب وہ فرشتہ اجازت ملنے پر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چومنے اور پیار کرنے لگے۔ فرشتہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: ان امتك ستقتله آپ کی امت حسین کو قتل کر دے گی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو ان کی قتل گاہ کی مٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دوں؟ پھر فرشتہ سرخ مٹی لایا جسے ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا اور ایک روایت میں ہے

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلمہ! جب مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کر دیا گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کر دیا جو حضرت حسین کی شہادت کے دن خون ہو گئی۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۱۸)

اور ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے کہ ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا اس زمین کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی آپ اس قدر روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمایا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا ابھی میرے پاس حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے خبر دی ان ولدی الحسین یقتل بشاطئی الفرات بموضع یقال له کربلا میرا بیٹا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ پر شہید کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۱۸)

ابو نعیم اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت علی کے ساتھ کربلا سے گزرے تو آپ نے فرمایا یہ شہیدوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور اس مقام پر ان کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں ان کے خون بہائے جائیں گے۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے جوان اس میدان میں شہید کیے جائیں گے اور زمین و آسمان روئیں گے۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۲۶ ج ۲)

ان احادیث کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین کے شہید ہونے کی بار بار اطلاع دی گئی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا بار بار ذکر فرمایا اور یہ شہادت حضرت امام حسین کے عہد طفلی ہی میں خوب مشہور ہو چکی تھی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ آپ کے شہید ہونے کی جگہ کربلا ہے بلکہ

اس کے چپہ چپہ کو پہچانتے تھے اور انہیں خوب معلوم تھا کہ شہداء کربلا کے اونٹ کہاں باندھے جائیں گے' ان کا سامان کہاں رکھا جائے گا اور ان کے خون کہاں بہیں گے؟

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاں وہ نبی کہ خداوند قدوس جن کی رضا جوئی فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى جن کا حکم بحر و بر پہ نافذ ہے جنہیں شجر وحجر سلام کرتے ہیں۔ چاند جن کے اشاروں پر چلا کرتا ہے' جن کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا ہے بلکہ بحکم الٰہی کونین کے ذرہ ذرہ پر جن کی حکومت ہے وہ نبی پیارے نواسے کے شہید ہونے کی خبر پر آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں مگر نواسے کو بچانے کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا نہیں کرتے اور نہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حسین کی شہادت نے قلب وجگر پارہ پارہ کر دیا آپ دعا کریں کہ خدائے عز وجل حسین کو اس حادثہ سے محفوظ رکھے اور اہلِ بیت' ازواجِ مطہرات اور صحابہ کبار سب لوگ حضرت امام حسین کے شہید ہونے کی خبر سنتے ہیں مگر اللہ کے محبوب کی بارگاہ میں کوئی دعا کی درخواست پیش نہیں کرتا جبکہ آپ کی دعا کا حال یہ ہے کہ:

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا — دلہن بن کے نکلی دعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا — بڑھی ناز سے جب دعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لیے دعا نہیں فرمائی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اس بارے میں دعا کرنے کی درخواست پیش کی۔ صرف اس لیے کہ حسین کا امتحان ہو' ان پر تکالیف ومصائب کے پہاڑ ٹوٹیں اور وہ امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کے پیارے ہوں کہ اب نبی کوئی ہو نہیں سکتا تو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اسی طرح بلند تر ہو جائے اور رضائے الٰہی حاصل ہونے کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان کی عظمت و رفعت کا بول بالا بھی ہو جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

برادرانِ اسلام! بعض گستاخ جو اعتراض کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے تو دوسرے کو کسی مصیبت سے کیا بچا سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نے اپنے نواسے سے حضرت امام حسین کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے شہید ہونے سے محفوظ رہنے کی دعا نہیں کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں کی تو پھر یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ وہ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے اور بعض گستاخ یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین جو سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور صحابی ہیں' جن کے درجہ کو بڑے سے بڑا ولی اور غوث وقطب نہیں پہنچ سکتا۔ جب وہ اپنی اور اپنے عزیز واقارب کی جان نہیں بچا سکے تو دوسرا کوئی غوث قطب کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں اپنی جان بچانے نہیں گئے تھے بلکہ اپنی جان دے کر اسلام بچانے گئے تھے۔

اور جان بچانے کا راستہ تو آپ کے لیے ہمیشہ کھلا ہوا تھا۔ اس لیے کہ جان بچانے کے لیے جب حرام قطعی کا کھانا پینا اور جھوٹ بولنا جائز ہو جاتا ہے تو آپ جان بچانے کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے یزید کی جھوٹی بیعت کر لیتے اور جب دشمن کی گرفت سے آزاد ہو جاتے تو انکار کر دیتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو جان بچانا مقصود نہیں تھا بلکہ جان دے کر اسلام کو بچانا مقصود تھا۔

اور رہی عزیز واقارب کے جان بچانے کی بات تو آپ کے جو عزیز واقارب میدان کربلا میں شہید ہوئے ان کی دنیوی زندگی بس اتنی ہی تھی اور جس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

''جب ان کو موت آئے گی تو ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوں گے۔''

(پ ۱۱ ن ۱۰)

اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی جان کی موت ہرگز مؤخر نہیں فرمائے گا جبکہ اس

کا وقت آ جائے گا۔ (پ ۲۸ ع ۱۲)

اگر یہ معقول جواب اعتراض کرنے والوں کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ دن دور نہیں جب وہ کہیں گے کہ انبیاء کرام کا قتل کیا جانا قرآن سے ثابت ہے تو جب اللہ اپنے محبوب انبیاء کو قتل سے نہیں بچا سکا تو پھر کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حسنین کریمین کے متعلق احادیث مبارکہ

حسنین کریمین میرے گلشن دنیا کے پھول ہیں:

عن ابن ابی نعیم: سمعت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وسأله عن المحرم، قال شعبة: أحسبه بقتل الذباب، فقال أهل العراق يسألون عن الذباب وقد قتلوا ابن ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال النبی هما ريحانتای من الدنيا.

''ابن ابونعم فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حالت احرام کے متعلق دریافت کیا۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں (محرم کے) مکھی مارنے کے بارے میں پوچھا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اہل عراق مکھی مارنے کا حکم پوچھتے ہیں حالانکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (حسین) کو شہید کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: وہ دونوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) ہی تو میرے گلشن دُنیا کے دو پھول ہیں۔''

(۱- بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۷۱، کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ۳۵۴۳)

(۲- احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۸۵، رقم: ۵۵۶۸)

(۳- ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۲۵، رقم: ۶۹۶۹)

(۴- طیالسی، المسند، ۱: ۲۶۰، رقم: ۱۹۲۷)

(۵-ابونعیم اصبہانی' حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء'۵:۷۰)

(٦-ابونعیم اصبہانی' حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء'۷:۱٦۸)

(۷-بیہقی' المدخل'۱:۵۴'رقم:۱۲۹)

عن أبي رافع رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن والحسين حين ولدا .

''حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حسن اور حسین پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے کانوں میں اذان دی۔''

(١-طبرانی' المعجم الکبیر'١:٣٣٣'رقم:٩٢٦)

(٢-طبرانی' المعجم الکبیر'٣:٣١'رقم:٢٥٧٩)

(٣-ہیثمی' مجمع الزوائد'٤:٦٠)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنین کریمین کی طرف سے عقیقہ کرنا

عن ابن عباس رضي الله عنهما! أن رسول صلى الله عليه وسلم عقى عن حسن والحسين كبشا كبشا .

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کی طرف سے عقیقے میں ایک ایک دنبہ ذبح کیا۔''

(١-ابوداؤد' السنن'٣:١٠٧' کتاب الضحایا' رقم:٢٨٤١)

(٢-ابن جارود' المنتقی'١:٢٢٩' رقم:١٢-٩١١)

(٣-بیہقی' السنن الکبری'٩:٣٠٢)

(٤-طبرانی' المعجم الکبیر'١١:٣١٦' رقم:١١٨٥٦)

(٥-ابن عبدالبر' التمہید'٤:٣١٤)

(۶-خطیب بغدادی' تاریخ بغداد' ۱۰: ۱۵۱' رقم: ۵۳۰۲)

(۷-صنعانی' سبل السلام' ۴: ۹۷)

(۸-ابن رشد' بدایۃ المجتہد' ۱: ۳۳۹)

(۹-ابن موسیٰ' معتصر المختصر' ۱: ۲۷۶)

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سراپا شبیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے

عن علی رضی اللہ عنہ قال: الحسن أشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مابین الصدر الی الرأس' والحسین أشبہ بالنبی ماکان أسفل من ذلک ۔

''حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ حسن سینہ سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل شبیہہ تھے اور حسین سینہ سے نیچے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل شبیہہ تھے۔''

(۱-ترمذی' الجامع الصحیح' ۵: ۶۶۰' ابواب المناقب' رقم: ۳۷۷۹)

(۲-احمد بن حنبل' المسند' ۱: ۹۹' رقم: ۷۷۴)

(۳-ابن حبان' الصحیح' ۱۵: ۴۳۰' رقم: ۶۹۷۴)

(۴-طیالسی' المسند' ۱: ۹۱' رقم: ۱۳۰)

(۵-احمد بن حنبل' فضائل الصحابہ' ۲: ۷۷۴' رقم: ۱۳۶۶)

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما وارثانِ اوصاف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عن فاطمۃ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہا أتت با الحسن والحسین أباہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شکو التی مات فیہا' فقالت: تور ثہمایا رسول اللہ شیئا: (فقال) أما الحسن فلہ ہیبتی وسؤ ددی وأما الحسین فلہ

جرأتی وجودی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے بابا حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوصال کے دوران حسن اور حسین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسن میری ہیبت و سرداری کا وارث ہے اور حسین میری جرأت و سخاوت کا۔

(۱۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۱: ۲۹۹، رقم: ۴۰۸)

(۲۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۵: ۳۷۰، رقم: ۲۹۷۱)

(۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۲۳، رقم: ۱۰۴۱)

(۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۱۸۵)

(۵۔ شوکانی، دار السحابہ: ۳۱۰)

(۶۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ۱: ۱۲۹)

(۷۔ ابن حجر مکی، الصواعق المحرقہ، ۲: ۵۶۰)

حسنین کریمین تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: الحسن والحسین سیّد اشباب أهل الجنة.

''حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

(۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۵۶، ابواب المناقب، رقم: ۳۷۶۸)

(۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۵۰، رقم: ۸۱۶۹)

(۳-ابن حبان الصحیح' ۱۵: ۴۱۲' رقم: ۶۹۵۹)

(۴-احمد بن حنبل المسند' ۳: ۳' رقم: ۳۲۱۷۶)

(۵-ابن ابی شیبہ المصنف' ۶: ۳۷۸' رقم: ۳۲۱۷۶)

عن انس من مالك رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: نحن ولد عبدالمطلب سادة أهل الجنة: أنا وحمزة وعلي وجعفر والحسن والحسين والمهدي .

''حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد اہل جنت کے سردار ہیں جن میں میں، حمزہ، علی، جعفر، حسن، حسین تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

(۱-طبرانی' ابن ماجہ السنن' ۲: ۱۳۶۸' کتاب الفتین' رقم: ۴۰۸۷)

(۲-حاکم المستدرک' ۳' ۲۳۳' رقم: ۴۹۴۰)

(۳-ابن حبان' طبقات المحدثین باصبہان' ۲: ۲۹۰' رقم: ۱۷۷)

(۴-کنانی' مصباح الزجاجۃ' ۴: ۲۰۴' رقم: ۱۴۵۲)

(۵-دیلمی' الفردوس' ۱: ۵۳: ۱۴۲)

(۶-عسقلانی' تہذیب التہذیب' ۷: ۲۸۳' رقم: ۵۴۴)

(۷-تہذیب الکمال' ۵: ۵۳)

عن ابي عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم ! الحسن والحسين سيّد اشباب أهل الجنة .

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

(۱۔طبرانی،المعجم الکبیر،۳:۳۵،رقم:۲۵۹۸)

طبرانی نے المعجم الاوسط (۵:۲۴۳،رقم:۵۲۰۸) میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی حدیث بھی بیان کی ہے۔

(۲۔ابن عساکر،تاریخ دمشق الکبیر،۱۴:۱۳۲)

(۳۔ہیثمی،مجمع الزوائد،۹،۱۸۲)

عن الحسين بن علي رضي الله عنهما قال سمعت جدي رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تسبوا الحسن والحسين، فانهما سيدا شباب أهل الجنة من الأولين والآخرين .

''حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنے نانا حضور نبی کریم کو فرماتے سنا: حسن اور حسین کو گالی مت دینا کیونکہ وہ پہلی اور پچھلی تمام امتوں کے جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

(۱۔ابن عساکر،تاریخ دمشق الکبیر،۱۴:۱۳۱)

(۲۔ہیثمی نے مجمع الزوائد(۹:۱۸۴) میں اسے مختصراً روایت کیا ہے۔)

(۳۔طبرانی،المعجم الاوسط،۱:۱۱۸،رقم:۳۶۶)

(۴۔شوکانی،درالسحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ:۳۰۱)

جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس پر دونوں سے محبت کرنا واجب ہے

عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من احبني فليحب هذين .

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ سے محبت کی، اس پر لازم ہے کہ وہ ان

دونوں سے بھی محبت کرے۔''

(۱-نسائی السنن الکبریٰ ۵:۵۰ رقم: ۸۱۷۰)

(۲-نسائی فضائل الصحابہ ۱:۲۰ رقم: ۶۷)

(۳-ابن خزیمہ الصحیح ۲:۴۸ رقم: ۸۸۷)

(۴-بزار المسند ۵:۲۲۶ رقم: ۱۸۳۴)

جس نے حسنین رضی اللہ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی

عن أبي هريره رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحب......

''جس نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کی اس نے درحقیقت مجھ ہی سے محبت کی۔''

(۱-ابن ماجہ السنن باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱:۵۱ رقم: ۱۴۳)

(۲-نسائی السنن الکبریٰ ۵:۴۹ رقم: ۸۱۶۸)

(۳-احمد بن حنبل المسند ۲:۲۸۸ رقم: ۷۸۶۳)

(۴-طبرانی المعجم الاوسط ۵:۱۰۲ رقم: ۴۷۹۵)

(۵-طبرانی المعجم الکبیر ۳:۴۷ رقم: ۲۶۴۵)

(۶-ابویعلی المسند ۱۱:۷۸ رقم: ۶۲۱۵)

(۷-ابن راہویہ المسند ۱:۲۴۸ رقم: ۲۱۱)

(۸-نسائی فضائل الصحابہ ۱:۲۰ رقم: ۶۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ان دونوں سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه ان رسول الله أخذ بيد

حسن وحسين فقال: من أحبني وأحب هذين وأباهما وأمهما كان معي في در حبتي يوم القيام .

''حضرت علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: جس نے مجھ سے اور ان دونوں سے محبت کی اور ان کے والد سے' ان کی والدہ سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے ہی ٹھکانہ پر ہوگا۔''

(۱-ترمذی' الجامع الصحیح ۵:۶۴۱ ابواب المناقب رقم ۳۷۳۳)

(۲-احمد بن حنبل المسند ۱:۷۷' رقم: ۵۷۶)

(۳-احمد بن حنبل فضائل الصحابہ ۲: ۶۹۳' رقم: ۱۱۸۵)

(۴-طبرانی المعجم الکبیر ۳: ۵۰' رقم: ۲۶۵۴)

(۵-مقدسی الاحادیث المختارہ ۲: ۴۵' رقم: ۴۲۱)

(۶-خطیب بغدادی تاریخ بغداد ۱۳: ۲۸۷' رقم: ۷۲۵۵)

(۷-دولابی الذریۃ الطاہرہ ۱: ۲۰' رقم: ۲۳۴)

جس نے حسنین کریمین سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا

عن أبي هريرة قال قال رسول الله من أبغضهما فقد ابغضني .

''حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حسن اور حسین سے بغض رکھا اس نے مجھ ہی سے بغض رکھا۔''

(۱-ابن ماجہ السنن باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱: ۵۱' رقم ۱۴۳)

(۲-نسائی السنن الکبریٰ ۵: ۴۹: رقم ۸۱۶۸)

(۳-احمد بن حنبل' المسند' ۲: ۲۸۸: رقم ۷۸۶۳)

(۴-طبرانی' المعجم الاوسط' ۵:۱۰۲' رقم:۴۷۹۵)

(۵-طبرانی' المعجم الکبیر' ۳:۴۷' رقم ۲۶۷۵)

(۶-ابویعلی' المسند ۱۱:۷۸' رقم:۶۲۱۵)

(۷-ابن راہویہ' المسند ۱:۲۴۸' رقم:۲۱۴)

(۸-نسائی فضائل الصحابہ' ۱:۲۰' رقم:۶۵)

جس نے حسنین رضی اللہ عنہما سے بغض رکھا وہ اللہ کے ہاں مغبوض ہو گیا

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول من انفغھما أبغضني' ومن أبغضني ابغضہ اللہ' ومن أبغضہ اللہ ادخلہ النار .

''سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا وہ اللہ کے ہاں مغبوض ہو گیا اور جو اللہ کے ہاں مغبوض ہوا اسے اللہ نے آگ میں داخل کر دیا۔ (حاکم' المستدرک' ۳:۱۸۱' رقم:۴۷۷۶)

یزید پلید

یزید پلید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا جس کی کنیت ابو خالد ہے امیہ خاندان کا وہ بدبخت انسان ہے جس کی پیشانی پر نواسۂ رسول' جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا سیاہ داغ ہے جس پر ہر زمانہ میں لوگ ملامت کرتے رہے اور رہتی دنیا تک ایسے ہی ملامت کرتے رہیں گے۔ یہ بدباطن اور ننگ خاندان ۲۵ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام میسون بنت نجدل کلبی ہے۔ یزید بہت موٹا' بدنما' بدخلق' فاسق وفاجر شرابی' بدکار' ظالم اور بےادب گستاخ تھا۔ اس کی بدکاریاں اور بے ہودگیاں انتہا کو

پہنچ گئی تھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کے صاحبزادے ہیں وہ فرماتے ہیں: واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی با لحجارۃ من السماء یزید پر ہم نے اس وقت حملہ کی تیاری کی جب ہم لوگوں کو اندیشہ ہو گیا کہ اس کی بدکاریوں کے سبب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی۔ اس کے فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے، شرابیں پی جا رہی تھیں اور دیگر منہیات شرعیہ کا علانیہ رواج ہو گیا تھا اور لوگوں نے نماز ترک کر دی تھی۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۴۲)

یزید نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی بے حرمتی کرائی۔ ایسے شخص کی حکومت ارباب فراست اور اصحاب اسرار اس وقت سے ڈرتے تھے جب کہ عنان سلطنت اس شقی کے ہاتھ میں آئی۔ اسی لیے ۵۹ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اللّٰھم انی اعوذبك من راس الستین وامارۃ الصبیان اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ۶۰ ہجری کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے۔ اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ جو حامل اسرار تھے انہیں معلوم تھا کہ ۶۰ ہجری کا آغاز لڑکوں کی حکومت اور فتنوں کا وقت ہے۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور انہوں نے ۵۹ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ رحلت فرمائی۔ (سوانح کربلا، ص۸۱)

یزید اور احادیث کریمہ واقوال ائمہ

رویانی اپنی مسند میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو درداء سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ یقال لہ یزید ''میری سنت کا پہلا بدلنے والا ایک شخص بنی امیہ کا ہو گا جس کا نام یزید ہو گا۔'' (تاریخ الخلفاء، ص۱۴۲)

اور ابو یعلیٰ اپنی مسند میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت ہمیشہ عدل وانصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ پہلا رخنہ انداز بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۲)

اور علامہ شعبان تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل یزید کے کفر کے قائل ہیں اور تجھے ان کا فرمان کافی ہے۔ ان کا تقویٰ اور علم اس امر کا متقاضی ہے کہ انہوں نے یہ بات اس لیے کہی ہوگی کہ ان کے نزدیک ایسے امور صریحہ کا یزید سے صادر ہونا ثابت ہوگا جو موجب کفر ہیں۔ اس معاملہ میں ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے مثلاً ابن جوزی وغیرہ۔ رہا اس کا فسق تو اس پر اتفاق ہے کہ بعض علماء نے خاص اس کے نام سے لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔ (برکات آلِ رسول، ص ۱۵۵)

اور حضرت علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اہلِ بیت نبوت کی توہین وتذلیل پر یزید کی رضا وخوشنودی تواتر سے ثابت ہے لہٰذا ہم اس کی ذات کے بارے میں توقف نہیں کریں گے، اسے برا بھلا کہیں گے البتہ اس کے ایمان کے بارے میں توقف کریں گے نہ اسے کافر کہیں گے اور نہ مومن۔ (شرح عقائد نسفی، ص ۱۱۷)

محدث ابن جوزی سے پوچھا گیا کہ یزید کو امام حسین کا شہید کرنے والا کہنا کس طرح صحیح ہے جبکہ وہ کربلا میں شہادت کے واقعہ کے وقت ملک شام میں تھا۔ انہوں نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تیر عراق میں تھا جبکہ تیر مارنے والا ذی سلم میں تھا۔ اے تیر مارنے والے تیرا نشانہ غضب کا تھا۔ (اشرف المؤبد، ص ۶۹)

نوفل بن ابو الفرات کہتے ہیں کہ میں ایک روز اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یزید کا کچھ ذکر ہوا تو ایک شخص نے یزید کو امیر المومنین یزید بن معاویہ کہا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس شخص سے فرمایا کہ تو اسے امیر المومنین کہتا ہے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیر المومنین کہنے والے اس شخص کو ۲۰ کوڑے لگائے

جائیں۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۴۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ امیہ خاندان کے ایک فرد ہیں یعنی مروان کے پوتے اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے داماد ہیں جن کے فضل و کمال اور تقویٰ و پرہیزگاری کے بارے میں صرف اتنا بتادینا کافی ہے کہ ان کو خلفائے راشدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس شخص کو کہ جس نے یزید بدبخت کو امیر المؤمنین کہا، کوڑے لگوائے اور سزا دی۔

اس واقعہ سے وہ لوگ جو آج یزید کی حمایت کرتے ہیں وہ یقیناً سزا کے مستحق ہیں۔ اگر آج بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسا کوئی ہوتا تو انہیں کوڑے ضرور لگواتا۔

اور اعلیٰ حضرت پیشوائے اہل سنت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "یزید پلید علیہ مایستحقہ من العزیز المجید" امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے ہیں اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور یہ آیت کریمہ اس پر سند لاتے ہیں "کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔" (پ۲۶، ۲۳-۲۷) شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین اور کعبہ معظمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں۔ مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے۔

تین دن مسجد نبوی بے اذان و نماز رہی۔ مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کیے۔ کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا گیا۔ مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہو گئیں۔ سرِ انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا' کاٹ کر نیزے پر چڑھا کر منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مخدرات قید کیے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے۔ اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ' ص ۱۰۷' ۱۰۸' ج ۶)

اور تحریر فرماتے ہیں ''یزید بے شک پلید تھا' اسے پلید ہی کہنا اور لکھنا جائز ہے اور اسے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ کہے گا مگر اہلِ بیت رسالت کا دشمن ہے۔

(فتاویٰ رضویہ' ص ۱۱۴' ج ۶)

برادرانِ اسلام!

جلیل القدر علماء و محققین کے بیانات سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ یزید کیسا تھا اور اس نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں اور کیا نہیں کہہ سکتے۔ جو لوگ کہ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ماننے والے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنے امام کے طریقہ پر چلیں یعنی یزید کے بارے میں لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت اختیار کریں کہ یہی بہتر ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض جاہل جو کہتے ہیں کہ امام حسین نے یزید سے بغاوت کی تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے اور اس طرح کی بولی خارجیوں کے ہذیانات میں سے ہے جو اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں۔ (شرح فقہ اکبر' ص ۸۷)

یزید اور حدیث قسطنطنیہ

یزید پلید جس نے مسجد نبوی اور بیت اللہ کی سخت بے حرمتی کی' جس نے ہزاروں صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا بے گناہ قتل عام کیا' جس نے مدینہ طیبہ کی پاک

دامن خواتین کو اپنے لشکر پر حلال کیا اور جس نے جگر گوشۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر پیاسا ذبح کیا۔

ایسے بد بخت اور مردود یزید کو پیدائشی جنتی اور بخشا ہوا ثابت کرنے کے لیے آج کل کچھ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں' ایسے لوگ چاہے اپنے آپ کو سنی کہیں یا دیوبندی لیکن حقیقت میں وہ اہلِ بیت رسالت کے دشمن' خارجی اور یزیدی ہیں۔ اس بد بخت کی حمایت میں وہ لوگ بخاری کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو حدیث قسطنطنیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ان باطل پرست یزیدیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب یزید کی بخشش اور اس کا جنتی ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے تو امام حسین کا ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کے خلاف عَلم جہاد بلند کرنا بغاوت ہے اور سارے فتنہ وفساد کی ذمہ داری انہی پر ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

یزیدی گروہ جو حدیث پیش کرتا ہے وہ یہ ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔

(بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ۱)

اور قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے لہٰذا وہ بخشا یا ہوا اور پیدائشی جنتی ہے۔

یزیدی گروہ کی اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حق ہے لیکن قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا یزید ہے یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یزید نے قسطنطنیہ پر کب حملہ کیا اس کے بارے میں چار اقوال ہیں ۴۹، ۵۰ ہجری اور ۵۵ ہجری دیکھیے کامل ابن اثیر جلد ۳' ص ۱۳۱' بدایہ نہایہ جلد ۸' ص ۳۲ عینی شرح بخاری جلد ۱۴' ص ۱۹۸ اور اصابہ جلد اول ص ۴۰۵۔

معلوم ہوا کہ یزید ۴۹ ہجری سے ۵۵ ہجری تک قسطنطنیہ کی کسی جنگ میں شریک ہوا چاہے وہ سالار رہا ہو یا حضرت سفیان اور وہ معمولی سپاہی رہا ہو مگر قسطنطنیہ پر اس سے پہلے حملہ ہو چکا تھا جس کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید تھے اور ان کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے۔ دیکھیے حدیث کی معتمد و مشہور کتاب ابوداؤد شریف ص ۳۴۰۔

برادرانِ اسلام!

اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا جو لشکر تھا اس میں یزید بھی موجود تھا، پھر بھی یہ ہرگز ثابت نہیں ہوگا کہ اس کے سارے کرتوت معاف ہو گئے اور وہ جنتی ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں یہ بھی ہے **ما من مسلمین یلتقیان فیصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا** یعنی جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔ (ترمذی، ص ۹۷، ج ۲)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: **من فطر فیه صائما کان له مغفرة لذنوبه** جو ماہ رمضان میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لیے مغفرت ہے۔ (بیہقی، مشکوۃ، ص ۱۷۴)

اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ بھی ہے **یغفر لامته فی اخر لیلة فی رمضان** (روزہ وغیرہ کے سبب) ماہ رمضان کی آخری رات میں اس امت کو بخش دیا جاتا ہے۔ (احمد، مشکوۃ، ص ۱۷۴)

اگر یزید نوازوں کی بات مان لی جائے تو ان احادیث کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ مسلمان سے مصافحہ کرنے والے، روزہ دار کو افطار کرانے والے اور ماہ رمضان میں روزہ رکھنے والے سب بخشے بخشائے جنتی ہیں۔ اب اگر وہ حرمین طیبین کی بے حرمتی کریں معاف، کعبہ شریف کو کھود کر پھینک دیں معاف، مسجد نبوی میں غلاظت ڈالیں معاف، ہزاروں بے گناہوں کو قتل کر ڈالیں معاف یہاں تک کہ اگر سیّد الانبیاء نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے جگر پاروں کو تین دن تک بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کر ڈالیں تو وہ بھی معاف اور جو چاہیں کریں سب معاف۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

برادرانِ ملت! اگر کسی عمل خیر سے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں جیسا کہ آج کے یزیدیوں نے سمجھا ہے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مصافحہ کرے گا اور اس کے بعد جو چاہے کرے گا۔ اگر کوئی اسے سرزنش کرے گا تو کہے گا ایک مسلمان سے مصافحہ کے سبب ہمارا اگلا پچھلا گناہ معاف ہو گیا ہے، ہمیں کچھ نہ کہو۔ خدائے عزوجل یزید نوازوں کو سمجھ عطا فرمائے اور گمراہی و بدمذہبی سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

یزید کی تخت نشینی اور طلب بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی بیعت کے لیے ہر طرف خطوط، حکم نامے روانہ کیے۔ مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ تھے ان کو اپنے باپ کی وفات کی اطلاع کی اور کہا کہ ہر خاص و عام سے میری بیعت لو اور حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پہلے بیعت لو۔ ان سب کو ایک لمحہ مہلت نہ دو۔

مدینہ منورہ کے لوگوں کو ابھی تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر نہ تھی۔ یزید کے حکم نامہ سے ولید بہت گھبرایا۔ اس لیے کہ ان حضرات سے بیعت لینا آسان نہیں تھا۔ اس نے مشورہ کے لیے مروان بن حکم کو بلایا۔

مروان بن حکم وہ شخص ہے کہ جب اس کی پیدائش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحنیک (کوئی چیز چبا کر نرم کر کے کھلانے یعنی گھٹی) کے لیے لایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هو الوزغ بن الوزغ (رواہ الحاکم فی صحیحہ) یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے۔ (الناہیہ ص ۳۵)

اور بخاری، نسائی اور ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا مروان ومروان فی صلبہ فمروان یفیض من لعنۃ اللہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ حکم پر لعنت فرمائی جبکہ مروان پشت پدر میں تھا تو وہ بھی اللہ کی لعنت سے حصہ پانے والا ہوا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۲۸)

برادرانِ اسلام! وہ مروان کہ اس کی اولاد اور اس کے باپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ فرمایا اور جس کے باپ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی بلکہ اس کے باپ کو شہر بدر فرما کر طائف میں رہنے کا حکم فرمایا۔ ایسے مروان سے بھلا خیر کی امید کیا ہو سکتی ہے۔

مدینہ منورہ کے گورنر ولید نے جب مروان سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ ان تینوں کو اسی وقت بلائیں اور بیعت کے لیے کہیں۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو بہتر ورنہ تینوں کو قتل کر دیں۔

اس مشورہ کے بعد گورنر ولید نے تینوں حضرات کو بلایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے چند جوانوں کو ساتھ لے گئے۔ مکان کے باہر ان کو کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ سنو کہ میری آواز بلند ہو رہی ہے تو فوراً اندر آ جانا اور جب تک میں باہر نہ آ جاؤں یہاں سے ہرگز نہ جانا۔

پھر آپ اندر تشریف لے گئے، ولید نے آپ کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے جیسا آدمی اس طرح چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ باہر نکل کر سب لوگوں سے بیعت طلب کریں تو ان کے ساتھ مجھ سے بھی بیعت کے لیے کہیں۔

ولید امن پسند آدمی تھا۔ اس نے کہا اچھا آپ تشریف لے جائیں جب آپ چلنے لگے تو مروان نے برہم ہو کر ولید سے کہا کہ اگر آپ نے اس وقت ان کو جانے دیا اور

بیعت نہ لی تو پھر ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔ اگر یہ بیعت کر لے تو بہتر ورنہ ان کو قتل کر دو۔ یہ سن کر حضرت امام حسین کھڑے ہو گئے اور فرمایا ابن الزرقاء کیا تو مجھے قتل کرے گا یا یہ قتل کریں گے۔ خدا کی قسم تو جھوٹا اور کمینہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے آئے۔

مروان نے ولید سے کہا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی۔ خدا کی قسم آپ ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔ قتل کرنے کا یہ بہترین موقع تھا جس کو آپ نے ضائع کر دیا۔ ولید نے کہا افسوس تم مجھے ایسے مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی تباہی ہے۔ کیا میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیتا کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ خدائے ذوالجلال کی قسم! اگر مجھے ساری دنیا کا مال و متاع مل جائے تو بھی میں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو ہرگز آلودہ نہیں کر سکتا۔ (طبری ص ۱۶۲ ج ۴)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ بیعت کے انکار سے یزید بدبخت جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا لیکن آپ کی غیرت و تقویٰ و پرہیز گاری نے اجازت نہ دی کہ اپنی جان بچانے کی خاطر نااہل کے ہاتھ پر بیعت کریں اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و مسلمانوں کی تباہی کی پرواہ نہ کریں۔

بہر حال آپ یزید کی بیعت کے لیے تیار نہ ہوئے۔ شام کے وقت پھر یزید نے حضرت امام حسین کے پاس آدمی بھیجا۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں نہیں آسکتا۔ صبح ہونے دیجئے پھر دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ ولید نے یہ بات مان لی اور آپ اسی رات اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

مدینہ منورہ سے رحلت اور زمین کربلا کا خونی منظر

برادرانِ اسلام! مدینہ منورہ وہ شہر مقدس ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جیسا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لا یقبض النبی الافی احب الامکنۃ الیہ یعنی نبی اس جگہ

انتقال فرماتا ہے جو اسے سب جگہوں سے زیادہ محبوب ہو۔ (فضائل مدینہ ص ۱۱)

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا۔ معلوم ہوا کہ سارے شہروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا مدینہ ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب سے پیارا ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی وہ شہر سب سے زیادہ پیارا ہے مگر حالات نے اس محبوب شہر کے چھوڑنے پر آپ کو مجبور کر دیا۔ سفر کی تیاری مکمل ہو گئی، جدائی کے صدمے سے روتے ہوئے گھروں سے نکل پڑے اور امام حسین اپنے نانا جان کے روضۂ اقدس پر آخری سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔

برادرانِ اسلام! امام عالی مقام جب اپنے نانا جان کے آستانۂ مقدس پر آخری سلام کے لیے گئے ہوں گے اس وقت آپ کی کیفیت کیا ہوئی ہوگی۔ بلاشبہ دیدۂ خونبار نے اشک غم کی بارش کی ہوگی اور عرض کیا ہوگا کہ نانا جان! میں آپ کا مقدس شہر چھوڑ رہا ہوں۔ وہ شہر کہ جو مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ میرا یہاں رہنا دشوار ہو گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں تو مجھے اجازت دیجیے۔

اور آپ کے نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے آغوشِ رحمت و محبت میں آپ کی پرورش کی تھی اس وقت روضۂ انور میں ان کا کیا حال ہوا ہوگا اس کا تصور اہل محبت کے دلوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

آہ! یہ دن کتنے رنج و غم کا دن تھا کہ جگر گوشۂ رسول فرزند علی و بتول جن کا سب کچھ مدینہ میں ہے مگر آج وہ مدینہ سے جا رہا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہا ہے۔

آپ الوداع، اے نانا جان! الوداع کہہ کر روتے ہوئے واپس ہوئے اور ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ مدینہ منورہ پر حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ ۴ شعبان ۶۰ھ کا ہے۔

جب آپ مکہ گئے تو آپ کی تشریف آوری کی لوگوں کو خبر ہوئی تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں لوگ آنے لگے اور آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔

مکہ معظمہ میں آپ ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے مقیم رہے۔ نہ آپ نے یزید کے خلاف کسی سے بیعت لی اور نہ اپنی موافقت میں کوئی لشکر جمع کیا۔

کوفیوں کے خطوط

کوفہ شہر کی بنیاد اس وقت پڑی جبکہ ۱۴ ہجری تک قادسیہ وغیرہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کی فوج نے عراق میں سکونت اختیار کی اور مدائن کی آب و ہوا ان کے موافق نہ ہوئی تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ جگہ تلاش کی گئی اور مسلمانوں کے لیے مکانات کی تعمیر ہوئی۔ پھر آپ ۱۰ ہجری میں اپنی فوج کے ساتھ مدائن سے منتقل ہو کر یہاں مقیم ہوئے۔ اس طرح کوفہ شہر وجود میں آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے کوفہ شیعوں کا مرکز تھا اور محبوں کا۔ وہاں کے لوگ حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف آوری کی عرضیاں بھیج چکے تھے مگر آپ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب جبکہ کوفہ والوں کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا اور امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو بروایت تاریخ طبری سلیمان بن صرد کے مکان میں وہاں کے شیعہ جمع ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ کے انتقال کا ذکر کر کے سب نے خدا کا شکر ادا کیا پھر سلمان نے سب سے کہا کہ امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں۔ آپ لوگ ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہیں۔ اگر ان کے مددگار بن سکتے ہو ان کے دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہو تو ان کو تشریف آوری کے لیے خط لکھیں اور اگر کمزوری یا بزدلی کا اندیشہ ہو تو [illegible] ان کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ سب نے بیک زبان کہا کہ ہم ان کو دھوکہ نہ دیں گے بلکہ ہم ان کے دشمنوں سے لڑیں گے اور اپنی جانیں ان پر قربان کریں گے۔

(طبری ص ۲۔۱ ج ۲)

چنانچہ پہلا خط جو ان لوگوں کی طرف سے لکھا گیا اس میں حضرت امیر معاویہ کے

انتقال اور یزید کی ولی عہدی کا ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا گیا تھا کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں۔ آپ تشریف لائیے خدا تعالیٰ آپ کی برکت سے ہمیں حق کی حمایت نصیب فرمائے۔ دمشق کا گورنر نعمان بن بشیر یہاں موجود ہے مگر ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک ہوتے اور نہ ہی اس کے ساتھ عیدگاہ جاتے ہیں۔ جب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اس کو یہاں سے نکال کر ملک شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔ (طبری ۱۷۷، ج ۲)

یہ پہلا خط عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن دال کے بدست روانہ کیا گیا جو امام عالی مقام کی خدمت میں ۱۰ رمضان ۶۰ ھ کو مکہ معظمہ پہنچا۔ اس خط کی روانگی کے بعد دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۳ عرضیاں اور تیار ہو گئیں جو ایک دو تین اور چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں۔ یہ سارے خطوط تین آدمیوں کے ہاتھ ارسال کیے گئے۔ اس کے بعد پھر کچھ مخصوص لوگوں نے عرضیاں بھیجیں اور یہ سب یکے بعد دیگرے تھوڑے وقفہ سے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ (طبری ۱۷۷، ج ۲)۔

حضرت مسلم کی روانگی کوفہ کی طرف

آخری خط جو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ کے بدست حضرت امام عالی مقام کو پہنچا اس کے بعد آپ نے کوفہ والوں کو لکھا کہ تم لوگوں کے بہت سے خطوط ہم تک پہنچے جن کے مضامین سے ہم مطلع ہوئے۔ تم لوگوں کے جذبات اور عقیدت و محبت کا لحاظ کرتے ہوئے بروقت ہم اپنے بھائی چچا کے بیٹے مخصوص و معتمد مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج رہے ہیں۔ اگر انہوں نے لکھا کہ کوفہ کے حالات سازگار ہیں تو انشاءاللہ میں بھی تم لوگوں کے پاس بہت جلد چلا آؤں گا۔ (طبری ۱۷۸، ج ۲)

حضرت مسلم کے دو صاحبزادے محمد اور ابراہیم جو بہت کم عمر تھے اور اپنے باپ کے بہت پیارے تھے اس سفر میں اپنے مہربان باپ کے ساتھ ہو لیے۔ حضرت مسلم نے کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید کے ہاں قیام کیا۔ شیعان علی ہر طرف سے جوق در جوق آ کر بڑے

شوق وعقیدت سے آپ سے بیعت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ کے اندر بارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے دست مبارک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ حضرت مسلم کو جب حالات خوشگوار نظر آئے تو آپ نے حضرت امام حسین کو لکھ دیا کہ یہاں حالات سازگار ہیں اور اہل کوفہ اپنے قول وقرار پر قائم ہیں۔ آپ جلد تشریف لائیے۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نعمان بن بشیر جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے جب وہ حالات سے باخبر ہوئے تو منبر پر تشریف لے گئے اور حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! یہ بیعت یزید کی مرضی کے خلاف ہے۔ وہ اس پر بہت بھڑکے گا اور فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی جو بنی امیہ کے ہواخواہوں میں سے تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ جو دیکھ رہے ہیں سخت گیری کے بغیر اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ آپ دشمن کے مقابلہ میں بہت کمزور ثابت ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ میرا شمار کمزوروں میں ہو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ اس کی نافرمانی کے ساتھ میرا شمار عزت والوں میں ہو۔ یہ فرما کر آپ منبر سے اتر آئے۔ عبداللہ حضرمی نے وہاں سے اٹھ کر یزید کو خط لکھا کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آگئے ہیں۔ شیعوں نے حسین بن علی کے نام پر ان سے بیعت کر لی ہے۔ اگر آپ کوفہ بچانا چاہتے ہیں تو کسی زبردست آدمی کو حاکم بنا کر بھیجو جو آپ کے فرمان کے مطابق عمل کر سکے۔ نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں یا جان بوجھ کر کمزوری دکھا رہے ہیں۔ (طبرانی ۱۸۱ ج ۲)

عمارہ بن عقبہ اور عمرو بن سعد نے بھی اسی مضمون کے خطوط یزید کو لکھے۔ ان خطوط کے پہنچنے پر یزید سخت غضبناک ہوا۔ اپنے خاص دوستوں کو بلا کر اس نے مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ کوفہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا جائے کہ وہ بہت سخت آدمی ہے کسی کی پرواہ نہ کرے گا۔ یزید نے ان لوگوں کے مشورہ پر عمل کیا۔ کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور عبیداللہ بن زیاد جو بصرہ کا گورنر تھا اسے کوفہ کا بھی گورنر بنا دیا اور حکم دیا کہ وہ فوراً کوفہ پہنچ جائے۔ مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے شہر بدر کر دے

یا قتل کر ڈالے اور حسین بن علی آئیں تو ان سے بھی میری بیعت طلب کرے۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ ان کو بھی قتل کردے۔

ابن زیاد کا کوفہ آنا

یزید کا حکم نامہ پاتے ہی عبید اللہ بن زیاد نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور دوسرے دن کوفہ کے لیے روانہ ہوگیا۔ قادسیہ پہنچ کر اپنے سپاہیوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ازراہِ فریب حجازی لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہوا اور بیس آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر حجازی راستہ سے مغرب اور عشاء کے درمیان کوفہ میں داخل ہوا۔ رات کے اندھیرے میں اس مکروفریب کے ساتھ پہنچنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت کوفیوں میں یزید کے خلاف ایک لہر دوڑی ہوئی ہے لہٰذا ایسے طور پر داخل ہونا چاہیے کہ وہ ابن زیاد کو پہچان نہ سکیں اور سمجھیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تاکہ امن وعافیت کے ساتھ وہ کوفہ میں داخل ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل کوفہ جن کو حضرت امام عالی مقام کی آمد کا انتظار تھا حجازی لباس میں حجازی راستہ سے سازوسامان کے ساتھ آتا دیکھ کر رات کی تاریکی میں ہر شخص نے یہی سمجھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ سب نے نعرہ ہائے مسرت بلند کیا۔ مرحبا بك یا ابن رسول اللہ اور قدمت خیر مقدم کہتے ہوئے اس کے آگے پیچھے چلے۔ ابن زیاد بدنہاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا اور چہروں کو بغور دیکھتا ہوا چلا جارہا تھا۔ شور سن کر اور بھی لوگ گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر آگے بڑھنے لگا۔ جب مجمع بہت زیادہ ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تو اس وقت مسلم بن عمرو باہلی جو ابن زیاد کے ساتھ تھا اس نے پکار کر کہا ''رستہ چھوڑ دو'' یہ امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں۔ ان الفاظ کو سن کر لوگوں کو بڑا رنج ہوا' افسوس کرتے ہوئے سب اپنے گھروں کو واپس ہوگئے اور صرف دس بیس آدمیوں کے ساتھ ابن زیاد گورنر ہاؤس میں داخل ہوا۔ (طبری' ص ۱۸۴' ج ۲)

صبح ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی۔ اے لوگو! امیر المؤمنین نے مجھے کوفہ کا گورنر بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ مطیع وفرمانبردار لوگوں کے ساتھ میں بھلائی کروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں۔ کان کھول کر سن لو میں امیر المؤمنین کے اس حکم پر سختی سے عمل کروں گا۔ فرمانبرداروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا اور نافرمانوں کے لیے میری تلوار ہے۔ تم لوگ اپنے اوپر اور اہل وعیال کی جانوں پر رحم کرو۔

اس تقریر کے بعد ابن زیاد نے ہر قبیلے کے بڑے بڑے لوگوں کو گرفتار کر لیا اور ان سے تحریری ضمانت لی کہ تم اور تمہارے قبیلے کے لوگ کسی مخالف کو اپنے ہاں پناہ نہیں دیں گے۔ اگر کسی نے پناہ دے رکھی ہے تو اسے پیش کرے گا۔ جو ایسا نہیں کرے گا ہم اسے قتل کر کے اس کے دروازے پر لٹکا دیں گے اور اس کے اہل وعیال کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

ابن زیاد کی اس کارروائی کے بعد کوفہ والوں پر خوف وہراس چھا گیا اور ان کے خیالات میں تیزی کے ساتھ تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ کوفہ شہر میں چونکہ یہ مشہور ہو چکا تھا کہ حضرت مسلم مختار بن ابوعبیدہ کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں اس لیے اب آپ نے وہاں قیام فرمانا مناسب نہ سمجھا اور رات کی تاریکی میں محب اہلِ بیت ہانی بن عروہ کے مکان پر منتقل ہو گئے جو قبیلہ مذحج کے سردار تھے۔ ہانی نے آپ کو ایک محفوظ کمرے میں چھپا کر رکھا اور سوائے مخصوص ومعتمد لوگوں کے دوسروں کو اس راز سے مطلع نہ کیا۔

جاسوس کی جاسوسی

ابن زیاد کو حضرت مسلم کی تلاش تھی مگر کوشش کے باوجود ان کی قیامگاہ کا پتہ نہ چل سکا۔ آخر اس نے اپنے شامی غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر سراغ لگانے کے لیے مقرر کیا کہ وہ خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح مسلم کا پتہ چلائے۔ غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت ایک محب اہلِ بیت مسلم بن عوسجہ اسدی مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیر تک ان کو دیکھتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ غلام ان کے

پاس گیا اور کہا کہ میں ملک شام کا رہنے والا ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے اہلِ بیت نبوت کا دوست ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ اس خاندان کے کوئی بزرگ کوفہ تشریف لائے ہیں۔ یہ تین ہزار درہم میرے پاس ہیں کیا آپ ان کا پتہ بتا سکتے ہیں تا کہ یہ رقم ان کی خدمت میں نذر کرسکوں۔ مسلم اسدی نے کہا مسجد میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں تم مجھی سے کیوں ان کے بارے میں دریافت کر رہے ہو؟ غلام نے کہا: آپ کے چہرے پر جو خیر و برکت کے آثار ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ضرور اہلِ بیت رسول کے دوستوں میں سے ہیں۔ مسلم اسدی اس کے فریب میں آ گئے اور کہا تم نے خوب پہچانا۔ میں بھی تمہارے دوستوں بھائیوں میں سے ہوں۔ میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے۔ پھر اسے حضرت مسلم بن عقیل کے پاس لے گئے۔ اس نے آپ سے بیعت کی اور تین ہزار درہم جو لایا تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ بیعت کے بعد وہ غلام روزانہ آپ کی خدمت میں آتا' سب سے پہلے دن بھر رہتا' حالات معلوم کرتا اور جو کچھ دیکھتا سنتا رات کے وقت اس کی پوری رپورٹ ابن زیاد کو دیتا۔

ہانی سے ابن زیاد کے پرانے تعلقات تھے مگر کہیں ابن زیاد کو بھنک نہ مل گئی ہو کہ حضرت مسلم ہمارے ہاں مقیم ہیں۔ اسی ڈر سے وہ اس کی ملاقات کو جانے سے پرہیز کرتے تھے اور بیماری کے عذر سے گھر بیٹھ گئے تھے۔ ابن زیاد نے ہانی کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔ ہانی نے کوئی خطرہ نہیں محسوس کیا اس لیے وہ تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔ وہاں گئے تو ابن زیاد کا رنگ بدلا ہوا پایا۔ آپ نے سلام کیا تو اس نے جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر آپ کھڑے رہے اس کے بعد اس نے غصے سے کہا ہانی تم امیر المؤمنین یزید کے خلاف اپنے گھر کو سازشوں کا اڈا بنائے ہو۔ تم مسلم بن عقیل کو بلا کر اپنے گھر میں چھپائے ہوئے ہو۔ ان کے لیے ہتھیار جمع کرتے ہو۔

ہانی نے پہلے تو ان باتوں سے انکار کیا مگر جب ابن زیاد نے معقل غلام کو بلا کر کھڑا کیا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ اب انکار کی گنجائش نہ رہی تو انہوں نے کہا اصل حقیقت یہ

ہے کہ میں نے مسلم بن عقیل کو نہیں بلایا بلکہ وہ خود میرے یہاں آ گئے تو میں انکار نہیں کر سکا۔

ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم جب تک تم انہیں میرے پاس حاضر نہ کردو تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ ہانی نے کہا خدا کی قسم! میں اپنے مہمان کو قتل کے لیے تمہارے سپرد نہیں کروں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

یہاں تک کہ یہ بات بڑھی تو ابن زیاد نے کہا تم انہیں سپرد نہیں کرو گے تو ہم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ ہانی نے کہا ایسا ہوا تو تمہارے ارد گرد بھی تلواریں چمکیں گی۔

یہ سن کر ابن زیاد نے غصے میں ہانی کے سر اور منہ پر ڈنڈے مارنا شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ ان کا سر اور چہرہ زخمی ہو گیا اور سارا کپڑا خون سے لت پت ہو گیا۔ ایک سپاہی جو قریب ہی کھڑا تھا ہانی نے اس کی تلوار پر ہاتھ ڈال کر چھین لی مگر اس نے چھڑا لیا۔ ابن زیاد نے کہا کہ اب تو اپنا خون تم نے میرے لیے حلال کر دیا ہے۔ پھر سپاہیوں سے کہا کہ اسے ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دو۔ (طبری ۱۹۲ ج ۲)

شہر میں افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔

گورنر ہاؤس کا گھیراؤ

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت مسلم یہ خبر پا کر برآمد ہوئے اور آپ نے اپنے متوسلین کو ندا کی۔ جوق در جوق آدمی آنا شروع ہوئے اور چالیس ہزار کی جمعیت نے آپ کے ساتھ قصر شاہی کا احاطہ کر لیا۔ صورت بن آئی تھی حملہ کرنے کی دیر تھی۔ اگر حضرت مسلم حملہ کرنے کا حکم دیتے تو اسی وقت قلعہ فتح ہو جاتا اور ابن زیاد اور ان کے سپاہی مسلم کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے۔ نقشہ تو یہی جما تھا مگر کار بدست کارکنان قدرت بندوں کا سوچا کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسلم نے قلعہ کا احاطہ تو کیا مگر آپ نے اپنے لشکر کو حملہ کا حکم نہ دیا اور

ایک بادشاہ دادگسر کے نائب کی حیثیت سے آپ نے انتظار فرمایا کہ پہلے گفتگو سے اتمام حجت کرلیا جائے اور صلح کی صورت پیدا ہو سکے تو مسلمانوں میں خونریزی نہ ہونے دی جائے۔ دشمن نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے رؤسا و عمائدین کو ابن زیاد نے پہلے سے قلعہ میں بند کر رکھا تھا انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور زیر اثر لوگوں کو مجبور کر کے حضرت مسلم کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ لوگ ابن زیاد کے ہاتھ میں قید تھے اور جانتے تھے کہ اگر ابن زیاد کو شکست بھی ہوئی تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خوف سے وہ گھبرا گئے اور انہوں نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اپنے متعلقین ومتوسلین سے گفتگو کی اور کہا کہ ہم ابن زیاد کی قید میں ہیں۔ اگر یہ قلعہ فتح ہو گیا تو ہم مارے جائیں گے۔ ہمارے اوپر رحم کرو اور اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ حیلہ کامیاب ہوا اور مسلم کا لشکر منتشر ہونے لگا اور حضرت مسلم کی رفاقت کے لیے ایک بھی نہ رہا۔ کوفہ والوں نے ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

حضرت مسلم اسی پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر پھرنے لگے۔ رات کے اندھیرے میں یوں ہی چلتے جا رہے تھے کہ ایک عورت جس کا نام طوعہ تھا اپنے دروازے پر بیٹھی ہوئی نظر آئی جو اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ نے اس سے پانی مانگا۔ عورت نیک خصلت تھی وہ گئی اور پانی لائی۔ آپ بیٹھ گئے اور پانی پیا۔ وہ برتن رکھنے کے لیے گھر گئی اور جب واپس آئی تو دیکھا کہ آپ بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا آپ تو پانی پی چکے ہیں اب گھر جائیے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور بیٹھے رہے۔ جب اس نے دوسری اور تیسری بار وہی بات کہی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ کی بندی! میرا اس شہر میں کوئی نہیں۔ میں ایک مسافر ہوں اور سخت مصیبت میں مبتلا ہوں کہ کیا مجھے پناہ دے سکتی ہو؟ شاید میں اس کا بدلہ دے سکوں ورنہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ عورت نے حیران ہو کر کہا کہ آپ کون ہیں اور واقعہ کیا

ہے؟ فرمایا: میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی' مجھ سے مدد کا وعدہ کیا اور اب سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے کہا مسلم آپ ہی ہیں؟ فرمایا: ہاں میں وہی ہوں۔ یہ سننا تھا کہ وہ آپ کو مکان کے اندر لے گئیں اور ایک خاص کمرہ میں آپ کے لیے فرش بچھا دیا۔ پھر کھانا لائی مگر آپ نے تناول نہیں فرمایا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا لڑکا آیا' جب اس نے ماں کو اس خاص کمرے میں آتے جاتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ طوعہ نے پہلے چھپانے کی کوشش کی مگر بیٹے نے جب بہت اصرار کیا تو اس کو ظاہر کرنا پڑا مگر اس نے تاکید کی کہ خبردار! یہ راز کسی سے نہ کہنا۔ وہ سن کر چپ ہو گیا اور رات گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ لڑکا شرابی اور آوارہ قسم کا تھا۔

(طبری' ص ۱۹۸' ج ۳)

صبح ہوئی تو اس لڑکے نے محمد بن اشعث کے بیٹے کو جا کر بتا دیا کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر میں ہیں۔ اس نے فوراً اپنے باپ کے ذریعہ ابن زیاد کو مطلع کر دیا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ مسلم کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ حضرت مسلم نے جب گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ فوج میری گرفتاری کے لیے آ گئی۔ آپ نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ آپ میں اور بکیر میں تلوار چلنے لگی۔ اس نے آپ کے چہرے پر ایسی تلوار ماری کہ جس سے آپ کا ہونٹ اوپر والا کٹ گیا' نیچے کا ہونٹ بھی زخمی ہو گیا اور سامنے کے دو دانت بھی گر گئے اور آپ نے اس کے سر پر زخم کاری لگایا۔ جب دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ اس طرح ان پر قابو پانا مشکل ہے تو سب بھاگ کر چھت پر چلے گئے اور اوپر سے پتھر مارنے لگے۔

حضرت مسلم نے جب یہ بزدلانہ جنگ دیکھی تو آپ تلوار کھینچے ہوئے گھر سے نکل آئے اور ان لوگوں سے لڑنے لگے جو باہر تھے۔ محمد بن اشعث نے پکار کر کہا آپ کے لیے امان ہے مگر آپ نے جنگ جاری رکھی اور رجز پڑھنے لگے جس کے آخری مصرع کا مضمون یہ تھا کہ ''مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ مجھ سے جھوٹ بولیں گے یا مجھے دھوکہ

دیں گے۔'' محمد بن اشعث نے کہا نہیں آپ سے جھوٹ نہیں بولا جائے گا اور نہ ہی آپ کو دھوکہ دیا جائے گا۔

حضرت مسلم میں اب جنگ کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ زخموں سے چور تھے اور ہانپ رہے تھے۔ اس لیے اس مکان کی ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ابن اشعث ان کے پاس آ کر کہنے لگا کہ امان ہے اور سب پکار اٹھے کہ آپ کے لیے امان ہے۔ (طبری، ص ۲۰۲، ج ۲)

حضرت مسلم اور گورنر ہاؤس

محمد بن اشعث آپ کو لے کر گورنر ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچا۔ آپ کو وہاں بٹھا دیا اور خود اجازت لے کر ابن زیاد کے پاس گیا۔ اس سے لڑائی کی پوری کیفیت بیان کی اور حضرت مسلم کو امان کے ساتھ لانے کا ذکر کیا۔ ابن زیاد نے کہا تم امان دینے والے کون ہوتے ہو۔ ہم نے تمہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا امان دینے کے لیے نہیں۔ اب ابن اشعث میں کچھ بولنے کی جرأت نہیں ہوئی، وہ چپ ہو گیا۔

حضرت مسلم جب گورنر ہاؤس کے دروازے پر پہنچے تو وہاں بہت سے لوگ اندر جانے کی اجازت کے انتظار میں موجود تھے اور ایک گھڑا ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا دروازے کے قریب رکھا ہوا تھا اور آپ بہت پیاسے تھے۔ فرمایا مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ مسلم بن عمرو باہلی خبیث نے کہا کہ اس سے تم کو ایک بوند بھی نہیں ملے گی مگر عمارہ بن عقبہ نے اپنے غلام سے کہا کہ مسلم کو پانی پلا دے۔ جب وہ کٹورے میں پانی بھر کر لایا اور آپ نے اسے پینا چاہا تو منہ سے خون بہنے لگا اور پانی رنگین ہو گیا۔ دو بار اسی طرح ہوا، تیسری دفعہ دونوں ہونٹ ٹوٹ کر کٹورے میں گر گئے۔ آپ نے کٹورا رکھ دیا اور فرمایا کہ اب پانی میری قسمت سے اٹھ چکا ہے۔

اتنی دیر میں ابن زیاد کا آدمی آپ کو لینے کے لیے آ گیا اور جب آپ ابن زیاد کے

پاس گئے اور دستور کے مطابق سلام نہیں کیا تو ایک سپاہی نے کہا کہ تم امیر کو سلام نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اگر امیر مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کو میرا سلام نہیں اور اگر قتل نہ کرے تو پھر اس کو بہت سے سلام ہوں گے۔ اس نے کہا اب تم بچ نہیں سکتے۔ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا: واقعی؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: اچھا مجھے اتنا موقع دو کہ میں کچھ وصیت کر دوں۔ کہا: ہاں وصیت کر دو۔ مسلم نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو ان میں ابن سعد نظر آیا۔ آپ نے فرمایا: تم قریش خاندان کے آدمی ہو۔ میں تم سے کچھ راز کی باتیں کہنا چاہتا ہوں' انہیں تنہائی میں سن لو۔ حکومت کا چاپلوس سننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ ابن زیاد نے کہا سننے میں کیا حرج ہے تو ابن سعد اٹھا اور مسلم کے ساتھ تھوڑی دور جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: ایک بات یہ کہنی ہے کہ میں نے کوفہ سے فلاں شخص سے سات سو درہم قرض لیا ہے تم اسے ادا کر دینا اور دوسری بات یہ کہ قتل کے بعد میری لاش کو دفن کر دینا' تیسرے حضرت امام حسین کے پاس کسی کو بھیج کر میرے واقعہ کی اطلاع کر دینا تاکہ وہ واپس چلے جائیں۔

حضرت مسلم نے یہ باتیں ابن سعد سے راز کے طور پر کہیں مگر اس بد بخت نے یہ ساری باتیں ابن زیاد کو کہہ دیں پھر ان وصیتوں کے جاری کرنے کے بارے میں اس سے دریافت کیا۔ ابن زیاد نے کہا کہ قرض کی ادائیگی کا اختیار میں تم کو دیتا ہوں جو چاہو کر و اور حسین کے متعلق یہ ہے کہ اگر وہ ہماری طرف نہیں آئیں گے تو ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں اور اگر آئیں گے تو ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے اور لاش کے بارے میں ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے کہ جس شخص نے ہماری مخالفت کی اور لوگوں میں اس قدر انتشار پیدا کیا اس کی لاش کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لاش کے متعلق اس نے کہا کہ قتل کے بعد ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں تم جو چاہو کرو۔ (طبری' ص ۲۰۵' ج ۲)

حضرت مسلم اور ابن زیاد

اس کے بعد حضرت مسلم اور ابن زیاد میں جو گفتگو ہوئی وہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے اس لیے کہ اس سے حضرت مسلم اور ان کو بھیجنے والے حضرات امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی پوری وضاحت ہوتی ہے اور صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان پر جو بغاوت کا الزام لگایا تھا وہ سراسر باطل اور غلط ہے۔

وصیت کے متعلق ابن سعد کو جواب دینے کے بعد ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا ابن عقیل سب لوگ یہاں متحد ہو کر امن کے ساتھ رہتے ہیں اور سب یک زبان تھے۔ تم یہاں اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو پریشان کرو' ان میں تفرقہ ڈالو اور آپس میں فساد کراؤ تا کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر حملہ کرے اور خونریزی ہو۔

آپ نے فرمایا: نہیں' ہرگز نہیں۔ مین اس لیے نہیں آیا تھا بلکہ کوفہ کے لوگوں نے بتایا کہ تیرے باپ نے یہاں کے نیک لوگوں کو قتل کیا' ان کا خون بہایا اور اسلام کا طریقہ چھوڑ کر ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ کی طرح پیش کیا تو ہم اس لیے آئے کہ ان کے غلط اطوار و عادات کی اصلاح کریں اور ان کو عدل و انصاف اور تعلیماتِ قرآن کی دعوت دیں۔ ابن زیاد خبیث نے کہا: او بدکار! تو اور تیرا یہ دعویٰ۔ جب تو مدینے میں شراب پیا کرتا تھا تب تجھے عدل و انصاف اور تعلیماتِ قرآن کا خیال نہ آیا۔ آپ نے فرمایا: میں شراب پیتا تھا؟ واللہ خدا خوب جانتا ہے کہ تو کذاب ہے تو بھی جانتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے۔ شراب تو وہ پئے گا جو بے گناہ مسلمانوں کا خون پیا کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جس کا قتل حرام کیا اسے قتل کرتا ہے' جس نے کوئی خون نہیں بہایا اس کا خون بہاتا ہے' بغض وحسد اور بدگمانی کی وجہ سے خونریزی کرتا ہے پھر اس طرح بھول جاتا ہے جیسے کچھ کیا ہی نہیں۔ ابن زیاد نے کہا کہ خدا مجھے مارے اگر میں تجھے اس طرح نہ قتل کروں کہ اسلام میں آج تک کوئی اس طرح قتل نہ ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا: بے شک اسلام میں جو ظلم آج

تک نہ ہوا ہو اس کے ایجاد کا تجھ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں۔ بری طرح قتل کرنا اور بری طرح مثلہ کرنا تیرا ہی حصہ ہے اور دنیا بھر میں تجھ سے بڑھ کر اس کا کوئی سزاوار نہیں۔

ان باتوں کو سن کر ابن زیاد جھلا اٹھا۔ آپ کے والد حضرت عقیل، علی اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے لگا تو آپ بالکل خاموش ہو گئے۔ (طبری، ص ۲۰۶، ج ۲)

آپ کی شہادت

اب ظالم ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے محل کی چھت پر لے جاؤ اور بری طرح قتل کرنے کے بعد سر کو دھڑ کے ساتھ نیچے گرا دو تاکہ ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں۔ آپ نے ابن اشعث کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تو نے مجھے امان نہ دی ہوتی تو خدا کی قسم میں اس طرح اپنے آپ کو حوالے نہ کرتا۔ اب مجھ کو بچانے کے لیے اپنی تلوار اٹھا اور بری الذمہ ہو مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ پھر آپ نے ابن زیاد سے کہا: اگر ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ بھی قرابت ہوتی تو مجھے قتل نہ کرتا۔ ظالم ابن زیاد نے بکیر بن حمران اسدی کو بلایا جس کی تلوار سے طوعہ کے گھر میں آپ کا ہونٹ کٹا تھا۔ جب وہ آیا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ کوٹھے پر لے جا کر اس کا سر قلم کر دو۔ جب حضرت مسلم کو کوٹھے پر لے چلے تو آپ انتہائی صبر وسکون کے ساتھ تکبیر واستغفار اور درود شریف پڑھ رہے تھے اور ساتھ میں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ خداوند! ہمارا اور ان لوگوں کا انصاف تیرے ہاتھ ہے جنہوں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہم سے جھوٹ بولے اور ہمیں ذلیل کیا۔ بکیر نے آپ کو شہید کر دیا اور سرِ انور کو جسم کے ساتھ نیچے پھینک دیا۔ (طبری، ص ۲۰۷، ج ۳)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ ھ کا ہے۔ (سوانح کربلا، ص ۹۴)

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد کوفہ والوں پر اس قدر خوف اور دہشت چھا گئی کہ لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے، ہر طرف سناٹا تھا اور کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ

تھی۔ یہاں تک کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے قتل کی افواہ کے سبب گورنر ہاؤس کھینچی ہوئی تلواروں کے گھیرے میں آ گیا تھا جب ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے بازار میں لے جا کر قتل کر دو اور سپاہی ہانی کی مشکیں باندھ کر لے چلے تو وہ پکار پکار کر کہتے: کہاں ہیں میرے قبیلہ بنی مذحج کے لوگ؟ مگر ایک آدمی بھی نظر نہ آیا جو ہانی کی مدد کرتا۔ سپاہیوں نے پھر انہیں رسی سے باندھ لیا اور ترک غلام جس کا نام رشید تھا اس نے آپ کو شہید کر دیا۔

(طبری، ص ۲۰۸، ج ۲)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

شہادت فرزندانِ حضرت مسلم

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم کے ساتھ ان کے دو بچے بھی آئے تھے، اس نے پورے شہر کوفہ میں اعلان کروایا کہ جو شخص مسلم کے بچوں کو چھپائے گا اسے سخت سزا دی جائے گی اور جو ان کو ہمارے پاس لائے گا وہ انعام پائے گا۔ ابن زیاد کے اس اعلان کو سن کر قاضی صاحب گھبرا گئے۔ خود زادِ راہ تیار کیا اور اپنے بیٹے اسد سے کہا کہ آج باب العراقین سے ایک قافلہ مدینہ منورہ کی طرف جانے والا ہے۔ ان بچوں کو لے جا کر کسی محبّ اہلِ بیت کے سپرد کر دو اور تاکید کر دو کہ ان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے لیکن اس کے جانے تک وہ قافلہ چلا گیا۔ اس نے کہا وہ دیکھو قافلہ، تم دونوں بھاگ کر اس قافلے کے ساتھ مل جاؤ لیکن جب دونوں بچے تیزی سے چلنے لگے تو قافلہ غائب ہو گیا۔ ننھے بچے اس تنہائی میں ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے اور ماں باپ کو پکار پکار کر جی جان کھونے لگے۔

ابن زیاد کا اعلان سن کر مال و زر کی تلاش رکھنے والے سپاہی جو بچوں کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے، تھوڑی دیر بعد انہوں نے بچوں کو پا لیا اور پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔

اس نے بچوں کو جیل میں رکھا۔ جیل کا داروغہ مشکور نامی محبِ اہلِ بیت تھا۔ اسے بچوں کی بے کسی پر بہت ترس آیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ بچوں کی بہرحال جان بچانی ہے چاہے اپنی جان چلی جائے۔ چنانچہ اس نے رات کے اندھیرے میں بچوں کو جیل سے نکالا' اپنے گھر لایا' کھانا کھلایا۔ اپنی انگوٹھی بطورِ نشانی دی اور شہر کے باہر قادسیہ کی راہ پر لا کر کہا کہ تم لوگ اسی راستے پر چلتے جاؤ۔ جب قادسیہ پہنچ جاؤ تو کوتوال سے ملنا' ہماری انگوٹھی دکھانا اور سارے حالات بتانا۔ وہ ہمارا بھائی ہے تم لوگوں کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔ دونوں بچے قادسیہ کی راہ پر چل پڑے مگر چونکہ انہیں بھی اس ننھی عمر میں شہادت سے سرفراز ہونا تھا اس لیے وہ راستہ بھول گئے۔ رات بھر چلتے رہے اور جب صبح ہوئی تو گھوم پھر کے اسی جگہ پہنچے کہ جہاں سے کوفہ کے باہر قادسیہ کے راستہ پر چلے تھے۔ ننھا سا کلیجہ خوف سے دہل گیا کہ کہیں پھر نہ کوئی پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے جائے۔ قریب میں ایک کھوکھلا درخت نظر آیا۔ وہیں ایک کنواں بھی تھا' اس درخت کی آڑ میں جا کر بیٹھ گئے' تھوڑی دیر بعد ایک لونڈی پانی بھرنے آئی اور جب ان بچوں کو چھپے ہوئے دیکھا تو قریب آئی اور ان کو دیکھ کر کہا اے شہزادو! تم کون ہو اور یہاں کیسے چھپے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم یتیم و بے کس ہیں اور بھٹکے ہوئے مصیبت زدہ مسافر ہیں۔ لونڈی نے کہا تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ باپ کا لفظ سنتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا کہ غالباً تم لوگ مسلم بن عقیل کے فرزند ہو۔ اب وہ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس نے کہا غم نہ کرو میں اس بی بی کی لونڈی ہوں جو محبِ اہلِ بیت ہے آؤ چلو اس کے پاس لے چلتی ہوں۔ دونوں صاحبزادے اس کے ساتھ ہو لیے۔ لونڈی ان کو اپنی مالکہ کے پاس لے گئی اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اسے صاحبزادوں کی تشریف آوری پر بے انتہا مسرت ہوئی۔ اس خوشی میں اس نیک بی بی نے لونڈی کو آزاد کر دیا اور صاحبزادوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتی تھی۔ ہر طرح تسلی و تشفی دی کہ فکر نہ کرو اور لونڈی سے کہا کہ

ان کی تشریف آوری کا راز پوشیدہ رکھنا' میرے شوہر حارث کو نہ بتانا۔

ادھر ابن زیاد کو جب معلوم ہوا کہ مشکور داروغہ نے جیل سے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے تو اس نے مشکور کو بلا کر پوچھا کہ تو نے مسلم کے بچوں کو کیا کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کے لیے ان کو رہا کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا کہ تو مجھ سے ڈرا نہیں؟ اس نے کہا: جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد نے کہا: تجھے ان بچوں کے رہا کرنے میں کیا ملا؟ انہوں نے کہا: مجھے امید ہے کہ ان کو رہا کرنے کے سبب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے البتہ تو مسلم بن عقیل کو شہید کرنے کے سبب اس نعمت سے محروم رہے گا۔ ابن زیاد غضب ناک ہو گیا اور کہا میں ابھی تجھے سزا دیتا ہوں۔ اس نے کہا: ایک نہیں مشکور کی اگر ہزار جانیں ہوں تو سب ان پر قربان ہیں۔ ابن زیاد نے جلاد سے کہا: اسے اتنے کوڑے مارو کہ مر جائے۔ جلاد نے جب کوڑے مارنا شروع کیے تو مشکور نے پہلے کوڑے پر کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' دوسرے پر الٰہ العالمین! مجھے صبر عطا فرما' تیسرے کوڑے پر کہا خداوند! مجھے بخش دے' چوتھے پر کہا الٰہ العالمین! مجھے اہلِ بیت نبوت کی محبت میں یہ سزا مل رہی ہے' پانچویں کوڑے پر کہا یا الٰہی! مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت اطہار کے پاس پہنچا دے' پھر اس کے بعد خاموش ہو گئے اور جلاد نے اپنا کام تمام کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ادھر وہ نیک بی بی دل و جان سے بچوں کی خدمت میں لگی رہی اور ہر طرح ان کی دلجوئی کرتی رہی۔ پھر رات میں کھانا کھلا کر ان کو الگ ایک کمرے میں سلا کر واپس آئی تھی کہ اس کا شوہر حارث آ گیا۔ عورت نے پوچھا آج دن بھر آپ کہاں رہے؟ حارث نے کہا: داروغہ جیل مشکور نے مسلم کے بچوں کو قید سے رہا کر دیا تو امیر عبید اللہ بن زیاد نے کہا کہ جو شخص ان بچوں کو پکڑ کر لائے گا اسے انعام دیا جائے گا اور میں انہیں کی تلاش

میں رہا۔ اسی بھاگ دوڑ میں میرا گھوڑا بھی مر گیا۔ عورت نے کہا: خدا سے ڈرو اہلِ بیت نبوت کے بارے میں اس طرح کا خیال دل سے نکال دو۔ کہنے لگا: چپ رہ تجھے کیا پتا جو شخص ان بچوں کو لائے گا اسے انعام و کرام دیا جائے گا۔ حارث کا دل سیاہ ہو چکا تھا۔ عورت کی باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور کھانا کھا کر سو گیا۔

آدھی رات کے بعد بڑے بھائی محمد نے خواب دیکھا اور بیدار ہو کر چھوٹے بھائی کو جگاتے ہوئے کہا اٹھو اب سونے کا وقت نہیں ہماری شہادت کا بھی وقت قریب آ گیا۔ ابھی میں نے خواب میں ابا جان کو دیکھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنت کی سیر کر رہے تھے۔ چھوٹے نے کہا: بھائی جان میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی رونے لگے۔ ان کے رونے اور چلانے سے حارث بد بخت کی آنکھ کھل گئی۔ ظالم نے بیوی کو جگا کر پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ عورت بے چاری سہم گئی۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ظالم نے خود اٹھ کر چراغ جلایا اور کمرہ کی طرف گیا کہ جہاں سے آواز آ رہی تھی۔ جب اندر داخل ہوا تو دیکھا دو بچے روتے روتے بے حال ہو رہے ہیں۔ پوچھا تم کون ہو؟ چونکہ وہ اسی گھر کو اپنی جائے پناہ سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم مسلم بن عقیل کے یتیم بچے ہیں۔ ظالم یہ سن کر غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہا میں سارا دن ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہو گیا اور تم لوگ ہمارے ہی گھر میں عیش کا بستر جمائے بیٹھے ہو۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور ان کو بے رحمی سے مارنا شروع کر دیا۔ عورت بے تحاشا دوڑتی ہوئی آئی اور حارث کے قدموں پر اپنا سر رکھ کر نہایت عاجزی کے ساتھ روتی ہوئی کہنے لگی: ارے یہ فاطمہ کے راج دلارے ہیں، میرا سر کچل کر اپنی ہوس کی آگ بجھا لے لیکن فاطمہ کے جگر پاروں کو بخش دے۔ حارث بد بخت نے اسے اتنے زور سے ٹھوکر ماری کہ بے چاری ایک کھمبے سے ٹکرا کر لہولہان ہو گئی۔ ظالم بچوں کو

مارتے مارتے تھک گیا تو دونوں بھائیوں کی مشکیں کس دیں اور زلفوں کو کھینچ کر آپس میں ایک دوسرے سے باندھ دیا۔ اس کے بعد یہ کہتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل آیا کہ جس قدر تڑپنا ہے صبح تک تڑپ لو دن نکلتے ہی میری چمکتی ہوئی تلوار تمہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دے گی۔

صبح ہوتے ہی ظالم نے تلوار اٹھائی' زہر میں بجھا ہوا خنجر سنبھالا اور کوٹھڑی کی طرف بڑھا۔ نیک بخت بیوی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی کمر تھام لی۔ حارث نے اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ اس کا سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا اور زمین پر گر پڑی۔ جب وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر دونوں بھائی کانپنے لگے۔ بدبخت نے آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں کی زلفیں پکڑیں اور نہایت بے دردی کے ساتھ انہیں باہر لایا۔ تکلیف سے دونوں بھائی تلملا اٹھے اور رو رو کر فریاد کرنے لگے لیکن ظالم کو ترس نہ آیا۔ سامان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا اور جب اس کے کنارے گیا تو انہیں خچر سے اتار کر مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا۔ پھر میان سے تلوار نکالی ہی تھی کہ اتنے میں اس کی بیوی ہانپتی کانپتی آ پہنچی' آتے ہی اس نے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامد کرتے ہوئے کہا: خدا کے لیے اب بھی مان جاؤ۔ اہلِ بیت رسالت کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین مت کرو۔ دیکھو بچوں کی ننھی جان سوکھی جا رہی ہے۔ تلوار سامنے سے ہٹا لو۔

حارث پر شیطان پوری طرح سوار تھا' ظالم نے بیوی پر وار کیا اور وہ زخمی ہو کر گری اور تڑپنے لگی۔ بچے یہ منظر دیکھ کر سہم گئے۔ اب حارث اپنی تلوار لے کر بچوں کی طرف بڑھا' وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ اٹھا۔ خدا کے لیے پہلے مجھے ذبح کرو میں اپنے بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش نہیں دیکھ سکتا اور چھوٹے بھائی نے سر جھکاتے ہوئے کہا: بڑے بھائی کے قتل کا منظر میں نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے واسطے پہلے میرا ہی سر قلم کر دو۔

ظالم کی چمکتی تلوار سے دو ننھی چیخیں بلند ہوئیں اور یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سر خون

میں تڑپنے لگے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

پھول تو دو دن بہار جانفزاد کھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

قاتل کا انجام

حارث نے جب بچوں کو شہید کر دیا تو ان کی لاشوں کو دریائے فرات میں پھینک دیا اور سروں کو توبڑہ میں رکھ کر لے گیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔اس نے کہا: اس میں کیا ہے؟ حارث نے کہا: انعام و کرام کے لیے حارث آپ کے دشمنوں کا سر کاٹ کر لایا ہے۔ابن زیاد نے کہا: یہ میرے کون سے دشمن ہیں؟ کہا مسلم کے فرزند۔ابن زیاد یہ سن کر غضبناک ہوا اور کہا تجھ کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا تھا؟ کم بخت میں نے امیر المؤمنین یزید کو لکھا ہے کہ مسلم کے فرزند گرفتار کر لیے گئے ہیں اگر حکم ہو تو میں انہیں آپ کے پاس بھیج دوں؟ اگر یزید نے زندہ بھیجنے کا حکم دیا تو پھر میں کیا کروں گا؟ تو میرے پاس ان کو زندہ کیوں نہ لایا؟ حارث نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ شہر کے لوگ انہیں مجھ سے چھین لیں گے۔حارث سے ابن زیاد نے کہا: اگر تجھے ڈر تھا تو ان کو کہیں چھپا کر مجھے خبر کر دیتا۔میں ان کو سپاہیوں کے ہاتھ منگوا لیتا۔تو نے میرے حکم کے بغیر ان کو قتل کیوں کیا؟ پھر ابن زیاد نے مجمع میں نگاہ ڈالی اور ایک شخص جس کا نام مقاتل تھا اس سے کہا کہ اس بدبخت کی گردن مار دے۔چنانچہ حارث کی گردن مار دی گئی اور وہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ کا مصداق ہوا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

کربلا کا خونی منظر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ شریف سے روانگی

جو جوان بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جو دہکتی ریت کے بستر پہ رویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین
مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اُجالا کر دیا
شیر کی مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین
جو بہتر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین
راہِ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین
کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین
زیر خنجر جس کا سجدہ عظمت اسلام ہے
جس کا ہر تیور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے
اللہ راکب دوش پیمبر وہ حسین
فاطمہ کا نور دیدہ جانِ حیدر وہ حسین
عظمت واخلاص وقربانی کا پیکر وہ حسین
کربلا کے غازیوں کا میر لشکر وہ حسین
پرچم حق تا ابد جس کا سلامی ہو گیا
زندۂ جاوید جس کا نام نامی ہو گیا
دین کی خاطر تھی جس کی زندگانی وہ حسین

کٹ گئی اسلام میں جس کی جوانی وہ حسین
خلد میں کی حق نے جس کی مہمانی وہ حسین
مل گئی جس کو حیات جاودانی وہ حسین
نام نامی جس کا لوحِ دھر پر مرقوم ہے
فرش سے تا عرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

برادرانِ اسلام! انسان کے لیے جہاں پر مرنا یا شہید ہونا مقدر ہوتا ہے منجانب اللہ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ہزار رکاوٹوں کے باوجود انسان آخری وقت اسی جگہ پر جانے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جن کا کربلا میں شہید ہونا ازل میں مقدر ہو چکا تھا ان کے لیے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اب کربلا کی طرف جانا ان کا ضروری ہو گیا۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے خط آنے کے بعد امام عالی مقام کو کوفیوں کی درخواست قبول کرنے میں کوئی معقول عذر باقی نہ رہا تو آپ عراق جانے کے لیے تیار ہو گئے اور سفر کے اسباب درست ہونے لگے۔

جب مکہ والوں کو آپ کی تیاری کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کا عراق کی طرف جانا پسند نہ کیا۔ جلیل القدر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعد خدری، حضرت ابوواقد لیثی وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور عرض کیا آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں کہ وہاں کے لوگ درہم و دینار کے بندے ہیں۔ انہوں نے آپ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ غداری کی ہے۔ ان کا حاکم ان پر مسلط ہے اور اس کی حکومت قائم ہے تو جان لیجئے کہ کوفہ والے آپ کو جنگ وجدال کے لیے بلا رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو دھوکہ دیں گے۔ حضرت امام نے کہا کہ میں خدا سے خیر کا طالب ہوں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ (طبری ص ۲۱۱ ج ۲)

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب آپ سے سفرِ عراق کو ملتوی کرنے کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا:

''میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے کہ ایک مینڈھا مکہ معظمہ کی حرمت کو حلال کر دے گا تو میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا۔'' (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)

غرضیکہ بڑے بڑے صحابہ کرام آپ کو اس سفر سے روکنے کے لیے بہت اصرار کرتے رہے اور آخر تک یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکہ معظمہ سے تشریف نہ لے جائیں مگر ان کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں یہاں تک کہ امام عالی مقام ۳ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو اپنے اہلِ بیت اور موالی و خدام کل ۸۲ نفوس کے ساتھ مکہ سے عراق کے لیے روانہ ہو گئے۔

بات اصل میں یہ تھی کہ آپ کو گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا اور یہ راز اس وقت کھلا جب فرزدق شاعر سے آپ کی راستہ میں ملاقات ہوئی اور اس نے پوچھا کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم حج کے دن بالکل قریب آ گئے تو اتنی جلدی آپ نے کس لیے کی کہ حج بھی نہ ہو سکا؟ امام نے جواب دیا کہ اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کر لیا جاتا۔

(طبری، ص ۲۱۴، ج ۲)

حضرت کے اس جواب سے معلوم ہو گیا کہ ایام حج قریب ہونے کے باوجود آپ مکہ معظمہ سے کیوں نکل پڑے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے اصرار کو قبول نہ فرمانے کا سبب کیا تھا۔ ظاہری وجہ تو وہی تھی جو حضرت امام نے فرزوق سے بیان فرمائی اور حقیقت میں شہادت کی کشش آپ کو کربلا کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی۔ آپ کا حال اس وقت وہی تھا جو کسی شاعر نے کہا ہے:

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لیے جاتا ہے میں کھنچا جاتا ہوں

کربلا جانے والے اہلِ بیت

برادرانِ اسلام!

اس سفر میں حضرت امام حسین کے تین صاحبزادے آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت علی اوسط جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں یہ حضرت شہر بانو کے بطن سے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال تھی اور بیمار تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے علی اکبر تھے جو یعلیٰ ابی مرہ کے شکم سے ہیں۔ ان کی عمر ۱۸ برس تھی۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام عالی مقام کے تیسرے فرزند جنہیں علی اصغر کہتے ہیں ان کی والدہ قبیلہ بنی قضاعہ سے تھیں' یہ شیر خوار تھے۔ آپ کی ایک صاحبزادی حضرت سکینہ بھی ہمراہ تھیں جن کی نسبت حضرت قاسم کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی۔ ان کی والدہ ام القیس ابن عدی کی دختر قبیلہ بنی کلب سے تھیں۔ ان کا عقد حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا اور کربلا میں حضرت قاسم کے ساتھ جو نکاح ہونے کی روایت مشہور ہے وہ غلط ہے۔ ان کے ساتھ آپ کی صرف نسبت ہوئی تھی عقد نہیں ہوا تھا اور حضرت امام حسین کی دو بیویاں آپ کے ہمراہ تھیں۔ ایک شہر بانو اور دوسری اصغر کی والدہ اور حضرت امام حسین کے چار نوجوان صاحبزادے حضرت قاسم' حضرت عبداللہ' حضرت عمر اور حضرت ابوبکر امام عالی مقام کے ہمراہ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پانچ فرزند حضرت عباس بن علی' حضرت عثمان' حضرت عبداللہ' حضرت محمد بن علی' حضرت جعفر بن علی حضرت امام کے ہمراہ تھے' سب نے شہادت پائی اور حضرت عقیل کے فرزندوں میں سے حضرت مسلم تو کوفہ میں ہی شہید ہو گئے تھے اور تین فرزند حضرت عبداللہ' حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت جعفر امام کے ہمراہ حاضر کربلا ہو کر شہید ہوئے اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے دو پوتے حضرت محمد و حضرت عون حضرت امام کے ہمراہ حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے اور حضرت امام حسین کے حقیقی بھانجے

ہیں۔ان کی والدہ حضرت زینب امام کی حقیقی بہن ہیں۔

صاحبزادگانِ اہلِ بیت میں سے کل ۱۷ افراد حضرت امام عالی مقام کے ہمراہ مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے اور حضرت امام زین العابدین، عمر بن حسن، محمد بن عمر بن علی اور دوسرے کم عمر صاحبزادے قیدی بنائے گئے۔ (سوانح کربلا)

جب آپ مقام صفاح تک گئے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔آپ نے اس سے کوفہ والوں کا حال دریافت فرمایا۔کہا کہ ان کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہوں گی۔آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو لیکن ہر بات اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔اگر اللہ نے ہماری خواہشوں کے مطابق کیا تو ہم اس کا شکر ادا کریں گے اور اگر قضائے الٰہی ہمارے مطلب کے خلاف ہوئی تو انسان کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں خلوص اور دل میں پارسائی ہے۔(طبری، ص ۲۱۴، ج ۲)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرزدق سے گفتگو کرنے کے بعد جب آگے بڑھے تو آپ کے بھانجے حضرت محمد وعون رضی اللہ عنہما راستے میں آکر آپ سے ملے اور اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کا خط آپ کے سامنے پیش کیا اس میں لکھا تھا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرا خط دیکھتے ہی واپس چلے آیئے۔اس لیے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں وہاں آپ کی ہلاکت اور اہلِ بیت کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا میں اندھیرا چھا جائے گا۔آپ ہدایت والوں کے رہنما اور مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز ہیں۔سفر میں جلدی نہ کیجئے۔اس خط کے پیچھے میں بھی آ رہا ہوں۔(طبری، ص ۲۱۶، ج ۲)

صاحبزادوں کے بدست خط روانہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر حاکم مکہ عمرو بن سعید سے جا کر ملے اور اس سے گفتگو کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے امان کا پروانہ حاصل کیا اور حضرت کے اطمینان کے لیے عمرو بن سعید کے بھائی یحییٰ

بن سعید کو ساتھ لے کر آپ کے پاس گئے۔ یحییٰ نے خط پیش کیا اور آپ نے اسے پڑھا اور واپس آنے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے کہا آخر کیا بات ہے؟ آپ عراق جانے پر اس قدر بضد کیوں ہیں؟ حضرت نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب میں مجھے جو حکم دیا میں اسے ضرور پورا کروں گا چاہے اس میں ہمارا نقصان ہو یا فائدہ۔ ان لوگوں نے کہا وہ خواب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ خواب اب تک نہ میں نے کسی سے بیان کیا ہے اور نہ بیان کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے جاملوں۔ (طبری، ص ۲۱۶، ج ۲)

چھوٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

امام عالی مقام نے عمرو بن سعید کی تحریر کا جواب لکھ کر ان کے سپرد کیا۔ حضرت عبداللہ کچھ مجبوریوں کے سبب اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادگان عون و محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود واپس ہو گئے۔

حضرت قیس کی شہادت

جب آپ مقام حاجز میں پہنچے تو آپ نے اپنے ایک مخلص قیس بن مسہر صیداوی کو خط دے کر کوفہ روانہ فرمایا۔ خط کا یہ مضمون تھا کہ حمد الٰہی اور سلام کے بعد معلوم ہوا کہ مسلم کے خط سے تم لوگوں کے حالات کی درستگی اور میری مدد پر تم سب کے متفق ہونے کا علم ہوا۔ میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم پر احسان کرے اور تم لوگوں کو اس بات پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ (طبری، ص ۲۲۳، ج ۲)

حضرت قیس جب امام کا خط لے کر قادسیہ گئے تو معین بن نُخیر جو ابن زیاد کے حکم سے ایک فوج کے ساتھ پہلے سے ناکہ بندی کئے ہوئے تھا اس نے قیس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے کہا اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو گورنر

ہاؤس کی چھت پر چڑھ کر حسین کے خلاف تقریر کرو اور ان کو برا بھلا کہو۔ حضرت قیس چھت پر گئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے لوگو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت حسین بن علی اس وقت خلق خدا میں سب سے بہترین شخص ہیں۔ میں انہیں کا بھیجا ہوا تم لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کے لیے قدم بڑھاؤ' ان کی آواز پر لبیک کہو۔ پھر حضرت قیس نے ابن زیاد اور اس کے باپ کو برا بھلا کہا اور حضرت علی کے لیے دعائے خیر کی۔ ابن زیاد یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور کہا کہ انہیں چھت پر جا کر اوپر سے زمین پر گرا دو کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ بے رحموں نے انہیں بری طرح سے نیچے گرایا کہ ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں اور شہید ہو گئے۔ اس طرح حضرت امام کا یہ سچا محب آپ پر قربان ہو گیا۔ (طبری ۲۲۴ ج ۲)

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

حضرت زبیر سے ملاقات

حضرت امام جب آگے بڑھے اور مقام زرود میں آپ نے قیام فرمایا تو وہاں کنویں کے پاس ایک خیمہ نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ زبیر بن قین بجلی کا خیمہ ہے جو حج سے فارغ ہو کر کوفہ جا رہے ہیں۔ شروع میں ان کو اہلِ بیت رسالت سے کوئی عقیدت نہ تھی۔ آپ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے ملنے سے انکار کرنا چاہا تو ان کی بیوی نے کہا: واہ کیا غضب کی بات ہے کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلائیں اور آپ نہ ملنے کے لیے جائیں۔ بیوی کی بات سے متاثر ہو کر وہ حضرت کے پاس گئے اور بہت جلد خوش خوش واپس ہو کر اپنا خیمہ اور کل ساز و سامان آپ کی طرف بھجوا دیا۔ اس کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے کہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی جاؤ۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا تم میں سے جو میرے ساتھ رہنا چاہتا

ہے وہ رہے ورنہ چلا جائے اور یہ سمجھ کر جائے کہ میری آخری ملاقات ہے۔ سب حیران ہو گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ آپ نے کہا: میں تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں سنو! جنگ بلنجر میں خدا نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور بہت سا مال غنیمت ہمارے ہاتھ آیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ فتح اور مال غنیمت سے تم کو خوشی ہوئی؟ ہم نے کہا ہاں بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے جوانوں کے سردار (امام حسین) سے ملو گے اور ان کی مدد میں ان کے دشمنوں سے جنگ کرو گے تو اس فتح اور مال غنیمت سے زیادہ خوشی حاصل کرو گے لہٰذا میں تم لوگوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

پھر حضرت زہیر امام عالی مقام کے ساتھ رہے یہاں تک کہ کربلا میں آپ کے دشمنوں کے ساتھ لڑ کر شہادت سے سرفراز ہوئے۔

شہادت مسلم کی خبر

حضرت امام حسین کو ابھی تک کوفہ کے حالات معلوم نہ ہوئے تھے جب آپ مقام ثعلبیہ میں گئے تو آپ کو ایک اسدی کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دیئے گئے ہیں اور ان کی لاشوں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ اس دردناک خبر کو سن کر آپ نے بار بار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا پڑھا۔

عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمعل اسدی جو حج سے فارغ ہو کر مقام زرود میں حسینی قافلہ سے آملے تھے انہوں نے کہ امام عالی مقام سے کہا خدا کے واسطے آپ اپنی اور اپنے گھر بھر کی جان خطرہ میں نہ ڈالیں یہیں سے واپس ہو جائیں۔ اس لیے کہ کوفہ میں آپ کا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ کو بلانے والے ہیں وہی آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر مسلم کے تینوں بھائی کھڑے ہو

گئے اور جوش میں آ کر کہا: خدا کی قسم ہم واپس نہیں ہوں گے جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے یا ہم بھی ان کی طرح قتل نہیں ہو جائیں گے۔ (طبری، ص ۲۲۷، ج ۲)

پھر قافلہ آگے بڑھتا رہا اور ابھی تک سب لوگوں کو مسلم کی شہادت کی خبر نہ تھی۔

جب آپ مقام زبالہ میں پہنچے تو اس جگہ پر آپ نے پورے قافلہ والوں سے فرمایا کہ ایک دردناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل شہید کر دیئے گئے ہیں اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے لہٰذا جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی الزام نہیں۔

بہت سے عرب جو راستے میں آپ کے ساتھ تھے اس اعلان کو سنتے ہی تقریباً سب داہنے بائیں روانہ ہو گئے اور زیادہ تر وہی لوگ باقی رہ گئے جو مدینہ طیبہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ (طبری، ص ۲۲۷، ج ۲)

حُر کی آمد

محرم ۶۰ ہجری کی پہلی تاریخ کو جبکہ آپ کوہِ ذی حشم کے دامن میں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے حر بن یزید تمیمی ایک ہزار لشکر کے ساتھ آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آ پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا، دشمن کے گھوڑے اور سارے آدمی بہت پیاسے تھے۔ حضرت امام حسین نے سب کو پانی پلایا۔ غالباً اس ہمدردی کے سبب حر آپ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کا وقت قریب آ گیا اور اذان پڑھی گئی تو آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد حُر اور اس کی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے لوگو! میں خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک تمہاری طرف نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں گئے کہ آپ ہماری طرف آیئے۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے شاید آپ کے سبب ہم لوگوں کو خدائے تعالیٰ ہدایت پر جمع فرما دے۔ اب اگر تم لوگ اپنی بات پر قائم ہو تو میں آ گیا ہوں، تم مجھ سے عہد کرو تا کہ

مجھے اطمینان ہو جائے تو میں تمہارے شہر میں چلوں۔ اگر میرا آنا پسند نہیں کرتے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

آپ کی اس تقریر کے بعد خاموشی رہی۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔ آپ نے حُر سے پوچھا تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا الگ پڑھنا چاہتے ہو؟ حُر نے کہا: آپ نماز پڑھایئے ہم سب آپ کے پیچھے پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں طرف کے لوگوں نے حضرت کے پیچھے نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ (طبری، ص ۲۳۰، ج ۲)

جب عصر کا وقت ہوا تو حضرت حسین نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت بھی دونوں گروہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

نماز کے بعد پھر آپ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و صلوٰۃ کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے اور حق پہچانو گے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو گے۔ جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں اہلِ بیت نبوت ان کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر تم لوگ ہم کو پسند نہیں کرتے اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اس کے خلاف ہو گی جو تمہارے خطوط ہیں تو ظاہر ہے میں واپس چلا جاؤں گا۔ حُر نے کہا ہم نے وہ خطوط نہیں لکھے تھے' ہمیں تو بس آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی مدد کرنی ہے۔ امام نے کہا: تو کیا چاہتا ہے؟ حُر نے کہا: میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ نہیں ہوگا۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اس طرح تکرار ہوتی رہی۔ حُر نے کہا: مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا' مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچ جائیں۔ اگر آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو جب تک

میں ابن زیاد کی رائے نہ معلوم کرلوں آپ ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ آپ کو اس کی یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ آپ قادسیہ اور عذیب کی راہ سے بائیں مڑ کر چلنے لگے۔ ساتھ ساتھ حُر بھی چلتا رہا۔ (طبری، ص ۲۳۲، ج ۲)

باپ اور بیٹے کی گفتگو

جب امام کا قافلہ بنی مقاتل پہنچا تو آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ تھوڑی دور پر حُر بھی آ ٹھہرا۔ آدھی رات کے بعد آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ پانی بھر لو اور چلو۔ ابھی تھوڑی دیر چلے تھے کہ ذرا آنکھ لگ گئی۔ پھر بیدار اور تین بار فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہ سن کر آپ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ کے قریب آئے اور عرض کیا ابا جان! اس وقت یہ کلمات زبان پر کیسے جاری ہوئے؟ فرمایا: ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک سوار کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ راستے پر چل رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہم کو موت کی اطلاع دی گئی ہے۔ صاحبزادے نے کہا: خدائے تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس خدائے ذوالجلال کی قسم جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے ہم حق پر ہیں۔ بہادر صاحبزادے نے کہا: جب ہم حق پر ہیں تو ایسی موت کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: خدائے تعالیٰ تمہیں وہ جزائے خیر عطا فرمائے جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہے۔

جب آپ کا قافلہ نینوا میں پہنچا تو کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ سب ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ آیا تو امام عالی مقام کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ حُر کو سلام کیا اور اس کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا کہ حسین کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انہیں چٹیل میدان میں اترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو اور نہ پانی ہو۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے تا کہ تمہاری کارگزاری کی ہمیں اطلاع

دے اور تم سے الگ نہ ہو جب تک کہ ہمارے حکم پر عمل نہ ہو جائے۔ حُر نے امام اور ان کے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔ حضرت نے کہا: اچھا ہم کو ذرا آگے بڑھ کر سامنے والے گاؤں غاضریہ شفیہ میں ٹھہرنے دو۔ حُر نے کہا: ہمیں تو چٹیل میدان میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نگران بھی ساتھ ہے۔ ابن زیاد کو ہمارے طرزِ عمل کی اطلاع کردے گا۔ حُر کے اس جواب پر حضرت امام کے ساتھیوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ حضرت زہیر بن قین نے کہا: یا ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے جنگ کر لینا ہمارے لیے آسان ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو ان کے بعد آئیں گے۔ اس لیے کہ وہ اتنے ہوں گے کہ ہم کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی۔ پھر آپ نے حُر سے فرمایا: اچھا کچھ تو چلنے دو۔ حُر خاموش رہا اور آپ بائیں طرف چل پڑے۔

زمین کربلا

ابھی تھوڑا سا چلے تھے کہ حُر کے سپاہیوں نے آکر روک دیا اور کہا بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اس جگہ کا نام کربلا ہے۔ اس لفظ کو سنتے ہی آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا:

''یہ کربلا ہے جو مقام کرب وبلا ہے۔ یہی ہمارے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یہیں ہمارے مال واسباب اتریں گے اور اسی مقام پر ہمارے ساتھی قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ محرم ۶۱ ہجری کی دوسری تاریخ (جمعرات) کا دن تھا۔

جب حُر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ابن زیاد کو اس بات کی اطلاع دی۔ یہ وقت وہ تھا جبکہ ایران میں بغاوت ہو گئی تھی جس کو فرو کرنے کے لیے عمرو بن سعد کو چار ہزار کی فوج کا سردار بنایا گیا تھا اور رے کی حکومت کا پروانہ لکھ کر دیا گیا تھا۔ ابن سعد اپنی فوج کے ساتھ نکل کر ابھی تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ ابن زیاد نے اسے واپس بلا کر حکم دیا کہ حسین کی مہم سر کرو اور اس کے بعد ایران

کی طرف روانہ ہو۔ یہ عمرو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کا بیٹا تھا۔ وہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین کی فضیلت سے خوب واقف تھا۔ اس لیے اس نے ابن زیاد سے کہا کہ مجھے اس امر کے لیے نہ بھیجیں۔ ابن زیاد نے کہا کہ اگر حسین کے مقابلہ کے لیے نہیں جاتے ہو تو رے کی حکومت سے دستبردار ہو جاؤ۔ ابن سعد نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے ایک دن کی مہلت لی۔ پھر آخر دنیوی حکومت کی لالچ میں امام عالی مقام کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا اور وہی چار ہزار کی فوج جو ملک ایران جانے کے لیے تیار تھی انہیں ساتھ لے کر تیسرے محرم کو کربلا آ گیا اور پھر برابر کمک پہنچتی رہی۔ یہاں تک کہ ابن سعد کے پاس ۲۲ ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ حضرت عالی مقام کے ساتھ کل ۸۲ آدمی ہیں جن میں بیبیاں اور بچے بھی ہیں اور پھر جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے اسی لیے لڑائی کا سامان بھی نہیں رکھتے تھے مگر اہلِ بیت نبوت کی شجاعت و بہادری کا ابن زیاد کے دل پر اتنا اثر تھا کہ ان کے مقابلے کے لیے ۲۲ ہزار کا لشکر جرار بھیج دیا۔ دوگنی چوگنی سوگنی تعداد کو بھی کافی نہیں سمجھا۔ کوفہ کے تمام قابل جنگ افراد کو کربلا میں بھیج دیا۔ اس کے باوجود لوگوں کے دل خوفزدہ ہیں اور پانچ سو جنگی سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ دریائے فرات پر مقرر کر دیا تاکہ ان کے ساتھی پانی کی ایک بوند نہ لے سکیں۔ یہ واقعہ حضرت امام علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام شہید ہونے سے تین دن پہلے کا ہے۔ (طبری، ج ۲، ص ۲۴۱)

ابن سعد نے حضرت امام کے پاس آدمی بھیجا کہ ان سے پوچھو وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ کوفہ کے لوگوں نے خط لکھ کر مجھے بلایا ہے۔ اب اگر میرا آنا پسند نہیں تو میں واپس چلا جاؤں۔ ابن سعد نے اپنا سوال اور امام کا جواب لکھ کر ابن زیاد کو بھیج دیا۔ اس نے ابن سعد کو جواب میں لکھا کہ تم حسین اور ان کے

ساتھیوں سے کہہ دو کہ یزید کی بیعت کریں۔ اگر وہ بیعت کرلیں گے تو اس کے بعد ہم جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ ابن سعد کو جب یہ خط ملا تو اس نے کہا: میں سمجھ گیا ابن زیاد کو امن و عافیت منظور نہیں۔

امام اور ابن سعد کی ملاقات

حضرت امام علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام نے ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ آج رات میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابن سعد نے یہ بات مان لی اور رات کے وقت بیس سواروں کے ساتھ دونوں لشکروں کے درمیان آیا۔ آپ بھی بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا اور تنہائی میں دیر تک گفتگو کرنے لگے۔ آخر میں حضرت امام نے فرمایا کہ میں تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے تم جسے چاہو میرے لیے منظور کرلو۔ (۱) جہاں سے آیا ہوں وہیں مجھے واپس چلے جانے دو۔ (۲) مجھے کسی سرحدی مقام پر لے چلو، میں وہیں رہ کر وقت گزار لوں گا۔ (۳) مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی طرف جانے دو، اطمینان کے لیے تم بھی میرے پیچھے پیچھے چل سکتے ہو۔ میں یزید کے پاس جا کر اس سے براہ راست اپنا معاملہ طے کرلوں گا جیسا کہ میرے بھائی حضرت حسن نے امیر معاویہ سے طے کیا تھا۔

حضرت امام حسین کا رویہ اتنا نرم اور سلجھا ہوا تھا کہ ابن سعد نے اقرار کیا کہ آپ صلح کے راستے پر ہیں اور اس نے بہت خوش ہو کر ابن زیاد کو لکھا کہ خدائے تعالیٰ نے آگ کا شعلہ بجھا دیا اور اتفاق کی صورت پیدا کر دی اور امت کے معاملہ کو سلجھا دیا۔ پھر حضرت امام کی پیش کی ہوئی تینوں باتیں تحریر کیں اور آخر میں اپنی رائے بھی لکھی کہ اب اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اس معاملہ کو ختم کرنا چاہیے۔ ابن زیاد نے خط پڑھ کر کہا کہ یہ تحریر ایسے شخص کی ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے، اچھا میں نے منظور کرلیا۔

ابن سعد جو دنیا پر جان دینے والا اور بد بخت ازلی تھا اس نے کہا میں لشکر تمہارے

سپرد نہیں کروں گا بلکہ یہ مہم میں خود ہی سر کروں گا چنانچہ اس نے فوراً حملہ کا حکم دے دیا۔ یہ محرم کی نویں تاریخ جمعرات کا دن اور شام کا وقت تھا۔ حضرت امام نماز عصر کے بعد خیمہ کے دروازے پر تلوار کا سہارا لے کر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی۔ فوج کے شور وغل کی آواز سن کر آپ کی بہن حضرت زینب پردے کے پاس آئیں اور آپ کو جگا کر کہا دیکھئے دشمن کی فوج کی آواز بہت نزدیک سے آ رہی ہے۔ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: میں نے ابھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: انك تروح الينا تم میرے پاس آنے والے ہو۔ حضرت زینب یہ خواب سن کر بے قرار ہوگئیں اور روتے ہوئے کہا: ہائے مصیبت! آپ نے فرمایا: صبر کرو، خاموش رہو اللہ مالک ہے۔ پھر امام نے حضرت عباس سے فرمایا: پوچھو اس وقت حملہ کا کیا سبب ہے۔ حضرت عباس نے پوچھا! جواب ملا ابن زیاد کا حکم ہے کہ آپ لوگ اس کی اطاعت کریں اور یا لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ حضرت عباس نے اس جواب سے امام عالی مقام کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ان سے کہو کہ ایک رات کی مہلت دیں تاکہ آج رات بھر ہم اچھی طرح نماز پڑھ لیں، دعا مانگ لیں اور توبہ واستغفار کر لیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ میں نماز اور دعا واستغفار سے کتنی محبت رکھتا ہوں۔ جب حضرت عباس نے فوج کے دستہ سے کہا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دی جائے تو انہوں نے یہ بات مان لی۔ (طبری، ج ۲، ص ۲۴۸)

ساتھیوں میں امام کی تقریر

اس کے بعد حضرت امام علی جدہ وعلیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر فرمائی۔ سب تعریفیں خدا تعالیٰ کے لیے ہیں، آرام وتکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ اے اللہ! میں تیرا شکر بجا لاتا ہوں تو نے ہمیں (اہلِ بیت) نبوت کی عزت عطا فرمائی، قرآن کا علم دیا، اس کی سمجھ عطا فرمائی اور سننے والے کان، دیکھنے والی

آنکھیں اور دل آگاہ نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا: میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار و بہتر نہیں جانتا اور نہ کسی کے گھر والوں کو اپنے گھر والوں سے زیادہ نیکوکار و صلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں' خدائے تعالیٰ! ہم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

امام عالی مقام کی یہ تقریر سن کر سب سے پہلے حضرت عباس' پھر آپ کے دوسرے بھائی' بیٹے' بھتیجے اور بھانجے سب نے بیک زبان کہا: کیا ہم اس لیے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں ایسا برا دن نہ دکھائے۔

امام نے پکار کر کہا: اے اولادِ عقیل! مسلم کا قتل ہونا تمہارے لیے کافی ہے' تم چلے جاؤ' میں اجازت دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہوگا بلکہ ہم آپ کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ ہم آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ خدائے تعالیٰ ہمیں وہ زندگی نہ دے جو آپ کے بعد ہو۔

اس کے بعد سب نے اٹھ کر کہا کہ ہم ہرگز آپ کو چھوڑ نہیں جا سکتے یہاں تک کہ اپنی جان دے دیں۔

اس کے بعد آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں نے نماز و دعا اور توبہ و استغفار میں ساری رات گزار دی اور اس کے ساتھ ہی خیموں کی پشت پر خندق کھود کر لکڑیاں بھر دیں تاکہ جنگ کے وقت ان میں آگ لگا دی جائے تو دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

کربلا میں قیامت صغریٰ

دسویں محرم کے دلدوز واقعات

عاشورہ کی رات ختم ہوئی اور دسویں محرم کی قیامت نما صبح نمودار ہوئی۔ حضرت امام عالی مقام نے اہلِ بیت اور تمام ساتھیوں کے ہمراہ فجر کی نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ پیشانیوں نے سجدے میں خوب مزے لیے اور زبانوں نے تسبیح و قرأت

کے خوب لطف اٹھائے۔ اب دسویں محرم کا سورج عنقریب نکلنے والا ہے۔ حضرت امام، ان کے اہلِ بیت اور تمام ساتھی تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ ایک لقمہ کسی کے حلق سے نیچے نہیں اترا اور نہ ایک قطرہ پانی کسی کو میسر ہوا اور ایسے لوگوں پر ظلم و جفا کے پہاڑ توڑنے کے لیے ۲۲ ہزار کا تازہ دم لشکر موجود ہے۔ جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا، آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعل اور علی و فاطمہ کے نونہال کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔ حضرت امام میدان کارِزار میں تشریف لے گئے اور ایک تقریر فرمائی: اے لوگو! میرے نسب پر غور کرو، میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو کہ تمہارے لیے کیا میرا خون بہانا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں؟

کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور میرا بھائی ہم دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ شمر بدبخت نے آپ کی تقریر میں کچھ مداخلت کرتے ہوئے بدتمیزی کی تو حبیب بن مظاہر نے اسے سخت جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے اس لیے تو نہیں سمجھ رہا کہ حضرت امام کیا فرما رہے ہیں۔ شمر کی گفتگو کے بعد حضرت امام نے پھر فرمایا: اے لوگو! اگر تمہیں اس حدیث میں شک و شبہ ہے کہ میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں، خدا کی قسم یورپ سے لے کر پچھم تک پوری دنیا میں میرے سوا کوئی بھی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے، نہ تم میں اور نہ تمہارے سوا دوسری قوموں میں اور میں تو خود تمہارے ہی نبی کا نواسہ ہوں۔ ذرا غور تو کرو میرے قتل پر تم کیسے آمادہ ہو گئے؟ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا بدلہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔

جب مخالفین کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے پکار کر کہا، اے شیث بن ربعی! اے حجاء بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم لوگوں نے خط

لکھ کر مجھے نہیں بلایا؟ انہوں نے کہا، ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں لکھا۔ آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔ اچھا فرض کرو تم نے نہیں لکھا تھا اور تم نہیں چاہتے تھے کہ میں ادھر آؤں تو مجھے چھوڑ دو تا کہ میں کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں امن و امان کی زندگی بسر کروں۔

قیس بن اشعث نے کہا: آپ اپنے قرابت دار یعنی ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دیں، پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا: تم ایسا کیوں نہیں کہو گے تم محمد بن اشعث کے بھائی تو ہو۔ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہرگز نہ دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کروں گا۔ مخالفین کے ماننے کی پہلے ہی سے امید نہ تھی مگر امام عالی مقام کو اپنا فرض پورا کرنا تھا۔ پھر آپ اونٹنی بٹھا کر اتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دیں۔ (طبری ج ۲ ص ۳۵۷)

حُر کا شوقِ شہادت

جب عمرو بن سعد جنگ شروع کرنے لگا تو حُر بن یزید نے اس سے کہا، خدا تیرا بھلا کرے کیا تو واقعی ان سے جنگ کرے گا؟ ابن سعد نے کہا ہاں۔ خدا کی قسم اور ایسی جنگ کہ سروں کی بارش ہوگی اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں گے۔ حُر نے کہا: ان کی پیش کی ہوئی باتوں میں سے کوئی بات بھی تم کو منظور نہیں۔ اس نے کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں؟ تمہارا حاکم نہیں مانتا۔ حُر یہ سن کر وہاں سے ہٹ گیا۔ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے تصور نے اس کے بدن پر کپکپی طاری کر دی۔ قبیلے کا ایک شخص کہنے لگا: حُر یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ تم پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟ مجھ سے تو جب پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا مگر اس وقت میں تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ آخر

اس کی وجہ کیا ہے؟ حُر نے کہا: یہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ ہے اپنی عاقبت سے لڑائی ہے' میں اس وقت جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں مگر میں جنت کو کسی چیز کے بدلے نہیں چھوڑوں گا چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا جائے' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور امام عالی مقام کی خدمت میں گیا' عرض کیا فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ پر قربان' میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا۔ راستے میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا' میں خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی جان آپ کے قدموں پر قربان کرتا ہوں' کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ حضرت نے فرمایا: ہاں اللہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو تم دنیا و آخرت میں حُر (آزاد) ہو' گھوڑے سے اترو۔ عرض کیا: آپ کی مدد کے لیے میرا گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ اب میں آخری وقت ہی میں شہید ہو کر گھوڑے سے اتروں گا۔ حضرت نے فرمایا: اچھا جو تمہارا جی چاہے وہی کرو' خدائے تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

(طبری' ج ۲' ص ۲۶۰)

جنگ کی ابتداء

حُر کے واپس آنے کے بعد عمرو بن سعد نے فوج کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام ذویدو کو جو علمبردار لشکر تھا' آواز دی کہ جھنڈا میرے قریب لاؤ۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ابن سعد نے کمان میں تیر جوڑ کر حسینی لشکر کی طرف سر کیا اور اپنی فوج سے پکار کر کہا: گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی مارا۔ سپہ سالار کے ان الفاظ کو سن کر اس کے لشکر میں جوش و خروش پیدا ہو گیا تو وہ تیر برسانے لگا۔ اس طرح جنگ شروع ہو گئی۔ اب دونوں اطراف کے سپاہی نکل نکل کر اپنی بہادری کے جوہر دکھانے لگے۔ سب سے پہلے یسار اور سالم جو زیاد کے آزاد کردہ غلام تھے' کوفیوں کی طرف سے نکل کر میدان کی طرف آئے اور مقابلہ کے لیے بلایا۔ امام عالی مقام کے دو جانثار ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے لیکن

امام نے ان کو روک دیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن عمیر کلبی جو اپنی بیوی ام وہب کے ساتھ امام کی مدد کے لیے کربلا میں آ گئے تھے کھڑے ہو گئے اور جنگ کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی' دیکھا جوان قوی ہیکل ہے۔ فرمایا: اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو جاؤ۔ یہ تنہا دونوں کے مقابل ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ عبداللہ نے اپنا نام و نسب بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں نہیں جانتے' ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین' حبیب بن مظاہر ہو یا بریر بن حضیر کو آنا چاہیے تھا۔ یسار اس وقت سالم سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ عبداللہ نے کہا: او فاحشہ کے بیٹے! تو مجھ سے لڑنے میں اپنی بے عزتی سمجھتا ہے' یہ کہتے ہوئے یسار پر حملہ کیا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ وہ ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہو گیا۔ سالم نے ایک دم جھپٹ کر حملہ کیا۔ عبداللہ نے اس کی تلوار کو بائیں ہاتھ پر روکا۔ انگلیاں کٹ گئیں مگر داہنے ہاتھ پر ایک ایسا وار کیا کہ اسے بھی ڈھیر کر دیا اور جوش میں آ کر شعر پڑھنے لگا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے نہیں پہچانتے ہو تو پہچان لو میں خاندان کلب کا ایک فرزند ہوں۔ میرے حسب و نسب کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

عبداللہ کی بیوی کو اپنے شوہر کی بہادری دیکھ کر جوش آ گیا۔ خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لی اور آگے بڑھ کر کہا: میرے ماں باپ تم پر قربان' نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لڑتے جاؤ۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے' چاہا کہ انہیں خیمہ میں پہنچا دیں مگر وہ ماننے والی نہیں تھیں۔ عبداللہ کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی جس سے دشمن کا خون ٹپک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئی تھیں جن سے لہو بہہ رہا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ بیوی کو واپس کرنا چاہا مگر جوش میں بھری ہوئی خاتون نے اپنا ہاتھ عبداللہ سے چھڑا لیا اور کہا میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارے ساتھ میں جان دوں گی۔ امام عالی مقام نے آواز دی اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اہل بیت رسالت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ بی بی تم واپس چلی آؤ کہ عورتوں پر قتال واجب

نہیں۔ حضرت کا حکم سن کر وہ واپس آ گئیں۔

کربلا میں حضرت امام کی کرامتیں

دشمنوں کے گروہ میں سے ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا سامنے آیا جس کا نام مالک بن عروہ تھا۔ جب اس نے دیکھا لشکر امام کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہل خیمہ کی حفاظت کی جا رہی ہے تو اس گستاخ نے حضرت امام سے کہا اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگا لی ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا: اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے، تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ کو اس بدبخت کا جملہ بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت امام سے اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے انہیں اجازت نہ دی مگر خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی یا رب العالمین! عذابِ نار سے پہلے اس گستاخ کو دنیا کے اندر آگ کے عذاب میں مبتلا فرما۔ امام کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں گیا، وہ گھوڑے سے گرا، اس کا پاؤں رکاب میں الجھا گھوڑا اسے لے کر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔

حضرت امام نے سجدہ کیا، اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کی اور عرض کیا! اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے اہلِ بیت رسالت کے بدخواہ کو سزا دی۔ حضرت امام کی زبان سے یہ جملہ سن کر دشمنوں کی صف میں سے ایک اور بے باک نے کہا: آپ کو پیغمبر خدا سے کیا نسبت؟ یہ کلمہ تو حضرت کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے اللہ! اس بدزبان کو فوراً ذلت میں گرفتار کر۔ امام نے یہ دعا فرمائی، اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی، وہ گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضائے حاجت کے لیے برہنہ ہو کر بیٹھا کہ ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا تو نجاست سے آلودہ تڑپتا پھرتا رہا۔ اس رسوائی کے ساتھ پورے لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی

مگر سخت دلان بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔

اور ایک مزنی نے امام کے سامنے آ کر کہا اے امام! دیکھو تو دریائے فرات کیسا موجیں مار رہا ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں اس کا ایک قطرہ بھی نہ ملے گا اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت امام نے اس کے بارے میں فرمایا! یا رب اس کو پیاسا مار۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا چمکا۔ مزنی گرا' گھوڑا بھاگا اور مزنی پکڑنے لگا' اس کے پیچھے دوڑا اور پیاس اس پر ایسی شدت کی غالب ہوئی کہ العطش العطش پکارتا تھا اور جب پانی اس کے منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی پیاس کی شدت میں مر گیا۔ (سوانح کربلا ص ۱۰۶)

اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء
یعنی حسین ابن علی جان اولیاء

ہاشمی جوانوں کی بے مثل بہادری اور شہادت

کربلا میں امام عالی مقام کے ساتھیوں کی وفاداری کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ رہا جب تک ان میں کوئی ایک بھی باقی رہا امام پاک کے بھائی' بیٹے' بھتیجے وغیرہ کسی بھی بنی ہاشم کو انہوں نے لڑنے کے لیے میدان میں نہیں جانے دیا بلکہ ان کے کسی ایک فرد کو کوئی گزند بھی نہیں پہنچنے دی حالانکہ اس میدان میں کوفیوں کی طرف سے بڑی زبردست پتھروں کی بارش بھی ہوئی مگر اس کے باوجود ایک زخم بھی کسی ہاشمی جوان یا بچے کو لگانے کا تاریخ میں پتہ نہ چلا۔

ان سب کی شہادت کے بعد اب اسد اللہ الغالب کے شیروں' فاطمۃ الزہرا کے دلاروں اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پاروں کے لڑنے کی باری آئی۔ ان کے میدان میں آتے ہی بڑے بڑے بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کی تلواروں کے حملوں سے شیر دل بہادر بھی چیخ اٹھے۔ انہوں نے ضرب وحرب کے وہ

جوہر دکھائے کہ دشمنوں کے خون سے پوری زمین کربلا رنگین ہوگئی اور کوفیوں کو ماننا پڑا کہ اگر ان لوگوں پر تین دن پہلے پانی بند نہ کیا جاتا تو ہاشمی خاندان کا ایک ایک جوان پورے لشکر کو تباہ و برباد کر ڈالتا۔

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے امام عالی مقام سے راہِ حق میں سر کٹوانے کی اجازت طلب کی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا: بیٹا میں تمہیں کیسے اجازت دے دوں، ابھی تمہارے باپ کی جدائی کا داغ میرے دل سے نہیں مٹا۔ عرض کیا: میں اپنے باپ کے پاس جانے کے لیے بے قرار ہوں۔ حضرت نے ان کا شوقِ شہادت دیکھ کر اجازت دی۔ اس ہاشمی جوان نے میدان میں آ کر مقابلہ کے لیے پکارا۔ یزیدی لشکر سے قدامہ بن اسد جو بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا وہ آپ سے لڑنے کے لیے نکلا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں تلوار چلتی رہی، آخر عبداللہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر زمین پر گر گیا۔ پھر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ تنہا آپ کے مقابلے میں آتا۔ آپ شیر ببر کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے، صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے ان میں گھستے چلے گئے۔ بہتیروں کو زخمی کیا اور کئی ایک کو جہنم رسید کیا۔ آخر نوفل بن مزاحم حمیری نے آپ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت جعفر بن عقیل اپنے بھتیجے عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد اشکبار آنکھوں کے ساتھ میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھی کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں، ہاشمی نسل اور غالب گھرانے کا ہوں۔ بے شک ہم سارے قبیلوں کے سردار ہیں اور بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ بہت سے یزیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ دشمن جب تلوار سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکے تو چاروں طرف سے گھیر کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ آخر عبداللہ بن عزرہ کے تیر سے شہید ہو کر آپ بہشت بریں میں جا پہنچے۔ دونوں بھائیوں کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عقیل شیر ببر کی طرح میدان میں کود پڑے اور بڑے بڑے بہادروں

کے دانت کھٹے کر دیئے اور بہت سے کوفیوں کو جہنم میں پہنچا دیا۔ آخر میں عثمان بن اسیم جہنی اور بشیر بن سوط ہمدانی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہم)۔

یہ فقرہ کاش نقش ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لیے تیار ہو جائے

فرزندانِ علی کی شہادت

اولادِ حضرت عقیل کے بعد اب حضرت علی مشکل کشا کے فرزندان کی باری آئی۔ حضرت محمد بن علی جو اسما بنت خثعمیہ کے بطن سے تھے' امام عالی مقام سے اجازت لے کر میدان میں آئے' اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور بہت سارے دشمنوں کو قتل کیا۔ آخر قبیلہ بنی ابان کے ایک شخص نے آپ کو زخمی کیا تو آپ زمین پر گر گئے تو اس نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ رضی اللہ عنہ

اب عثمان بن علی' حضرت عبداللہ بن علی اور حضرت جعفر بن علی کھڑے ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ تینوں فرزند ام البنین کے بطن سے تھے اور امام عالی مقام کے ایسے وفادار و جانثار تھے کہ جب شمر عبیداللہ ابن زیاد کا خط لے کر کربلا کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو عبداللہ بن ابی محل جو ام البنین کا بھتیجا تھا اس نے ابن زیاد سے کہا ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے فرزند حسین کے ساتھ ہیں۔ آپ ان کے لیے امان نامہ لکھ دیجئے۔ ابن زیاد نے امان نامہ لکھ دیا۔ ان چاروں بہادر بھائیوں نے کہا: ہمیں ابن زیاد کے امان کی ضرورت نہیں۔ خدائے تعالیٰ کی امان ہمارے لیے کافی ہے۔

پھر یہ تینوں بھائی ایک ایک کر کے میدان میں جاتے رہے اور ہر ایک سینکڑوں کوفیوں پر بھاری ہوا۔ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ بالآخر بہت سے یزیدیوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ (رضی اللہ عنہم)

وہ عاشقان دلبر شاہنشاہ زمن! وہ کشتگانِ خنجر درد و غم و محن

پُر خوں پڑے تھے دشت مصیبت میں اس طرح
صحن چمن میں پھول بکھرتے ہیں جس طرح

شہادتِ حضرت قاسم

اب ہاشمی خاندان کے ایک مہکتے ہوئے پھول حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں' ان کی عمر ۱۹ سال ہے اور ان کی شادی کا رشتہ امام عالی مقام کی صاحبزادی سکینہ سے طے ہو چکا تھا۔ وہ حضرت کی خدمت میں دست بستہ کھڑے ہیں اور راہِ حق میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ امام نے فرمایا بیٹا! تم میرے بھائی حسن کی یادگار ہو' میں کس طرح تمہیں تیروں سے چھلنی ہونے اور تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں؟ عرض کیا: چچا جان! مجھے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت ضرور دیجئے اور مجھے اپنے اوپر قربان ہونے کی سعادت سے محروم نہ کیجئے۔ جب قاسم نے بہت اصرار کیا تو امام پاک نے روتے ہوئے انہیں اپنے سینے سے لگایا اور رخصت کر دیا۔

دشمن کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ جب آپ میدان جنگ میں آئے تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے چاند کا ٹکڑا سامنے نمودار ہو گیا۔ ان کے جسم پر زرہ بھی نہ تھی بلکہ صرف ایک پیرہن پہنے ہوئے شوقِ شہادت کے جوش میں میدان میں آئے اور یزیدی لشکر سے فرمایا: اے دین کے دشمنو! میں قاسم بن حسن بن علی ہوں جسے میرے مقابلہ میں بھیجنا ہو' بھیجو۔ عمرو بن سعد نے ملک شام کے ایک نامی گرامی پہلوان ارزق سے کہا: تم اس کے مقابلہ میں جاؤ۔ اس نے کہا: میں ہرگز نہیں جا سکتا کہ بچے کے مقابلے میں جانا ہماری توہین ہے۔ ابن سعد نے کہا: اسے بچہ نہ جانو یہ حسن کا بیٹا اور فاتح خیبر کا پوتا ہے۔ اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اس نے کہا: کچھ بھی ہو میں ایسے بچے کے مقابلہ میں نہیں جا سکتا البتہ

میرے چار بیٹے ہیں میں ان میں سے ایک کو بھیج دیتا ہوں۔ ابھی ایک منٹ میں اس کا سر کاٹ کر لائے گا۔

جب ہاشمی بہادر نے چند منٹوں میں ارزق کے چاروں بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیا تو وہ غصہ سے کانپنے لگا اور جن کے مقابلے میں آنا پہلے توہین جانتا تھا اب ان سے لڑنے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا اور شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آ کر حضرت قاسم کو للکارا کہ لڑ کے تیار ہو جاؤ موت تمہارے سر پر آ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ارزق! ہوش کر تو اوروں کے لیے طاقت کا پہاڑ ہو گا' ابھی تو نے ہاشمی بہادروں کو نہیں دیکھا ہے۔ ہماری رگوں میں شیر خدا کا خون ہے۔ تو ہمارے نزدیک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ارزق یہ طعنہ سن کر اور بھی آگ بگولہ ہو گیا اور حضرت قاسم پر نیزہ سے حملہ کر دیا آپ نے اس کے وار کو بے کار کر دیا۔ پھر آپ نے نیزہ سے وار کیا جو خالی گیا۔ اس طرح دونوں طرف سے کچھ دیر نیزہ بازی ہوتی رہی۔ اس کے بعد ارزق نے تلوار کھینچی' آپ نے بھی تلوار کھینچی۔ اس نے جب آپ کے ہاتھ میں اپنے بیٹے کی تلوار دیکھی تو کہا یہ تلوار تو میرے بیٹے کی ہے۔ یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ آپ نے ہنس کر فرمایا: تیرا بیٹا مجھے یادگار کے طور پر یہ تلوار اس لیے دے گیا ہے کہ میں تجھے اسی سے موت کے گھاٹ اتار دوں۔ یہ سن کر ارزق غصہ سے بھر گیا اور حضرت قاسم پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے الحرب خدعہ کے پیش نظر فرمایا: ارزق! ہم تو تجھے نہایت بہادر سمجھتے تھے لیکن تو نہایت اناڑی ہے کہ گھوڑے کی زین کسنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ آپ کے اس طرح فرمانے پر جب وہ جھک کر گھوڑے کی زین دیکھنے لگا تو اسی وقت آپ نے تلوار کا بھرپور وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ گیا۔

گرا فولاد کا ٹکڑا زمیں پر سرنگوں ہو کر
تکبر بہہ گیا زخموں کے رستے موجِ خوں ہو کر

حضرت قاسم ارزق کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور خیمے کی طرف آکر حضرت امام کی خدمت میں عرض کی: اے چچا جان! پیاس پیاس۔ چچا جان اگر ہمیں تھوڑا سا پانی مل جائے تو ابھی ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ امام عالی مقام نے فرمایا بیٹا! تھوڑی دیر اور صبر کرو عنقریب تم نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جامِ کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہیں کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ حضرت قاسم پھر میدان کی طرف پلٹ گئے۔ ابن سعد نے کہا: اس نوجوان نے ہمارے کئی نامی گرامی جوانوں کو قتل کر دیا ہے لہٰذا اب اس کے مقابلہ میں تنہا نہ جاؤ۔ اسے چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دو۔ دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ کے جسم پر ۲۷ زخم آئے' آخر میں شیث بن سعد نے آپ کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے اور یا عماہ ادرکنی پکارا یعنی اے چچا جان! میری خبر گیری فرمایئے۔ امام اپنے بھتیجے کی دردناک آواز سن کر دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ جسم نازنین زخموں سے چور ہے۔ آپ ان کے سر کو گود میں لے کر چہرۂ انور سے گرد و غبار صاف کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت قاسم نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر امام پاک کی گود میں پا کر مسکرائے' پھر آپ کی روح پرواز ہو گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

شہادتِ حضرت عباس

برادرانِ اسلام! وہ وقت آگیا جب امام عالی مقام کے علمبردار حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما امام پاک سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ بھائی جان! سارے بھائی' بھتیجے اور بھانجے تو بھوکے پیاسے جامِ شہادت نوش کر گئے مگر اب ننھے شیر خواروں کا' بچوں کا' پیاس سے تڑپنا اور ان کا بلکنا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر فرات سے ایک مشکیزہ پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو پلاؤں۔ حضرت کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ فرمایا: بھائی عباس! تم ہی میرے

علمبردار ہو اگر پانی لانے میں تم شہید ہو گئے تو میرا علم کون اٹھائے گا اور میرے زخم دل پر مرہم کون لگائے گا؟ امام نے عباس کی طرف سے بہت اصرار دیکھا تو انہیں سینہ سے لگایا اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ ان کو اجازت دے دی۔ وہ ایک مشکیزہ کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہو کر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔

یزیدی فوج نے جب عباس کو فرات کی طرف آتا دیکھا تو اسے روک لیا۔ آپ نے فرمایا: اے کوفیو! خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماؤ۔ کوفیوں نے کہا: اگر ساری دنیا پانی ہو جائے تو تب بھی ہم تمہیں پانی کا ایک قطرہ نہیں پینے دیں گے جب تک کہ حسین یزید کی بیعت نہ کرلے۔ ظالموں کا یہ جواب سن کر آپ کو جلال آ گیا۔ فرمایا: حسین سر کٹا سکتے ہیں لیکن باطل کے سامنے جھکا نہیں سکتے۔

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

پھر حضرت عباس شیر کی طرح ان پر جھپٹ پڑے اور تلوار آبدار دھواں دھار چلانے لگے یہاں تک کہ بہت سے دشمنوں کو موت کی نیند سلا دیا اور فرات کے قریب پہنچ گئے۔ گھوڑے کو فرات میں داخل کر دیا۔ مشکیزہ بھرا اور ایک چلو پانی ہاتھ میں لے کر پینا چاہا لیکن ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا یاد آ گیا تو آپ کی غیرتِ ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ساقی کوثر کے دلارے پیاس سے تڑپیں اور ہم سیراب ہو جائیں۔ آپ نے چلو کا پانی ڈال دیا اور بھرا ہوا مشکیزہ بائیں کاندھے پر لٹکائے ہوئے نکل پڑے۔

چاروں طرف سے شور ہوا' راستہ روک لو' مشکیزہ چھین لو' پانی بہا دو کہ اگر حسین کے خیمہ تک پانی پہنچ گیا تو پھر ہمارا ایک بھی سپاہی نہیں بچے گا' سب کی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور سارے بچے یتیم ہو جائیں گے اور حضرت عباس اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح اہلِ بیت نبوت کے پیاسوں تک یہ پانی پہنچ جائے۔ جب دشمنوں نے آپ کو چاروں

طرف سے گھیر لیا تو آپ نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کرنا شروع کر دیا۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔

آپ دشمنوں کو مارتے کاٹتے اور چیرتے پھاڑتے خیمہ کی طرف چلے جارہے تھے کہ ایک بدبخت نے جس کا نام زرارہ تھا' پیچھے سے دھوکہ دے کر ایسی تلوار چلائی کہ ہاتھ کندھے سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ آپ نے فوراً اپنے کندھے پر مشکیزہ لٹکایا اور اسی ہاتھ سے تلوار بھی چلاتے رہے۔ پھر ظالموں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ کو زخموں سے چور چور کر دیا یہاں تک کہ آپ گھوڑے کی زین سے گر پڑے اور فرمایا: اے بھائی جان! میری خبر گیری فرمایئے۔ امام عالی مقام دوڑ کر تشریف لائے۔ دیکھا کہ عباس علمبردار خون میں نہائے ہوئے ہیں اور عنقریب جامِ شہادت نوش کرنے والے ہیں۔ شدت غم سے امام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے: الآن انکسر ظهری اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ پھر عباس کی لاش کو اٹھا کر آپ خیمہ کی طرف لا رہے تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

شہادتِ علی اصغر

امام عالی مقام کے چھوٹے فرزند حضرت علی اصغر جو ابھی شیر خوار ہیں' پیاس سے بے چین ہیں' تشنگی کی شدت سے تڑپ رہے ہیں' خیمہ میں ایک پانی کا قطرہ نہیں ہے۔ چھوٹا بچہ سوکھی زبان باہر نکالتا ہے' بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ ماں سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی' گود میں لیے عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میرے سرتاج! اب علی اصغر کی پیاس نہیں دیکھی جاتی۔ آپ اس کو گود میں لے جا کر ظالموں کو دکھایئے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچے کی پیاس پر ترس آ جائے اور پانی کے چند گھونٹ اس کو پلا دیں۔

امام عالی مقام اس ننھے بچے کو سینہ سے لگا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف

لے گئے اور فرمایا: اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے جو پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔ یہ اپنے ننھے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلا کر چند گھونٹ پانی طلب کر رہا ہے۔ اگر تمہارے نزدیک مجرم ہوں تو میں ہوں' اس بچے کا تو کوئی جرم نہیں ہے' اس کو تو پانی پلا دو۔ دیکھو پیاس کی شدت سے اس کی حالت کیسی ہو رہی ہے۔ اگر تم لوگوں کے دلوں میں کچھ رحم ہو تو اس کے لیے تھوڑا سا پانی دے دو۔

امام عالی کی اس بات کا ظالموں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس بے زبان بچے پر ان کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ پانی کی بجائے ایک بدبخت ازلی حرملہ نے تیر کا ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے حلق کو چھیدتا ہوا امام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حضرت امام نے تیر کھینچا تو علی اصغر کے گلے سے خون کا فوارہ ابلنے لگا اور بچے نے باپ کے ہاتھوں میں تڑپ کر جان دے دی۔

زخمی جگر خبیثوں نے توڑا حسین کا
بچہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسین کا

تاجدارِ کربلا امام عالی مقام کی شہادت

اب جگر پارہ رسول حضرت امام حسین کی شہادت کا وقت قریب آ گیا۔ جب آپ نے میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زین العابدین اپنی بیماری کے باوجود نیزہ لیے ہوئے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور عرض کیا: بابا جان! پہلے میدان کارزار میں جانے اور اپنی جان کے نثار کرنے کی اجازت دیجئے۔ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں یہ ہو نہیں سکتا۔ امام عالی مقام نے نورِ نظر کو اپنی آغوش میں لیا اور فرمایا بیٹا! میں تمہیں کیسے اجازت دے دوں؟ میرے عزیز و اقارب جو میرے ہمراہ تھے وہ سب راہ حق میں جاں نثار ہو چکے ہیں۔ میں تمہیں اجازت دے دوں تو خواتین اہل بیت کا کوئی محرم نہیں رہ جائے گا۔ ان کو مدینہ منورہ کون لے جائے گا؟ میرے بیٹے تمہیں

زندہ رہنا ہے' تمہیں شہید نہیں ہونا ورنہ میری نسل کس سے چلے گی؟ حسینی سادات کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا؟ میرے جدو پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کے سپرد کی جائیں گی؟

میرے لختِ جگر! یہ ساری امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ دیکھو میری طرح صبر و استقامت سے رہنا' راہِ حق میں ہر آنے والی تکلیف کو برداشت کرنا اور ہر حالت میں اپنے نانا جان کی شریعت اور ان کی سنت کی پیروی کرنا' میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو۔ تمہیں میدان میں جانے کی اجازت نہیں۔ پھر امام عالی نے اپنی دستارِ مبارک اتار کر رکھ دی اور انہیں بسترِ علالت پر لٹا دیا۔

اب امام پاک اپنے خیمے میں گئے اور صندوق کھولا۔ قبائے مصری زیبِ تن فرمائی اور تبرکات میں سے اپنے نانا جان کا عمامہ شریف سر پر باندھا' سیّد الشہداء امیر حمزہ کی ڈھال پشت پر رکھی۔ شیرِ خدا کی تلوار ذوالفقار گلے میں حمائل کی اور جعفر طیارہ کا نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اس طرح تاجدارِ کربلا راہِ حق پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

بیبیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے رنگ اڑ گئے اور آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے۔ حضرت زینب نے آنسو بہاتے ہوئے کہا: بھیا! بیویوں نے درد بھری آواز سے کہا: سرتاج اور حضرت سکینہ نے روتے ہوئے کہا: بابا جان! کہاں جا رہے ہیں؟ اس جنگ میں ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟ جو درندے ننھے علی اصغر پر رحم نہیں کھاتے وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ تم لوگوں کا حافظ و نگہبان ہے۔ پھر آپ نے اہلِ خیمہ کو صبر و شکر کی وصیت فرمائی اور سب کو اپنا آخری دیدار کرا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت

آپ نے سب کو خدا کے حوالے کیا اور دشمنوں کے سامنے گئے۔ کئی دن کے بھوکے پیاسے ہیں' بیٹوں' بھائیوں' بھتیجوں اور جانثاروں کے غم سے نڈھال ہیں۔ اس کے باوجود پہاڑوں کی طرح جمی ہوئی فوجوں کے مقابلے میں شیر کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں اور ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جو آپ کے نسب و ذاتی فضائل پر مشتمل تھی۔ پھر آپ نے ایک تقریر کی۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہو اس رسول کا ارشاد ہے کہ جس نے حسن و حسین سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ تو اے یزیدیو! اللہ سے ڈرو اور میری دشمنی سے باز آؤ۔ اگر واقعی خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو سوچو اس خدائے شہید و بصیر کو کیا جواب دو گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ بیوفاؤ! تم نے مجھے خطوط بھیج کر بلایا اور جب میں یہاں آیا ہوں تو میرے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو۔ ظالمو! تم نے میرے بیٹوں' بھائیوں' بھتیجوں کو شہید کر ڈالا اور اب میرے خون کے پیاسے ہو۔ اپنے رسول کا گھر ویران کرنے والو! اگر قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اپنے انجام پر غور کرو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو۔ پھر یہ بھی سوچو کہ میں کون ہوں؟ کس کا نواسہ ہوں؟ میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی لخت جگر ہیں؟ میں اس فاطمۃ الزہراء کا فرزند ہوں کہ جس کے پل صراط پر گزرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اے اہل محشر! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھیں بند کر لو کہ حضرت خاتون جنت ۷۰ ہزار حوروں کے ساتھ گزرنے والی ہیں۔ بے غیرتو! اب بھی وقت ہے' شرم سے کام لو اور میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرو۔

حضرت امام کی یہ تقریر سن کر یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ متاثر ہوئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن شمر وغیرہ پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ جب انہوں نے لشکریوں پر حضرت کی تقریر کا اثر دیکھا تو شور و غل مچانا شروع کر دیا کہ آپ یا تو یزید کی

بیعت کرلیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ہم کچھ سننا نہیں چاہتے۔ امام نے فرمایا: اے بد باطنو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہارے دلوں پر شقاوت اور بدبختی کی مہر لگ چکی ہے اور تمہاری غیرتِ ایمانی مردہ ہو چکی ہے لیکن میں نے یہ تقریر صرف اتمامِ حجت کے لیے کی تھی تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام برحق کو نہیں پہچانا تھا۔ الحمد للہ! میں نے تمہارا یہ عذر ختم کر دیا۔ اب رہا یزید کی بیعت کا سوال تو یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکاؤں۔

امام عالی مقام نے جب یہ دیکھا کہ یہ بدبخت میرے قتل کا وبال اپنی گردن پر ضرور لیں گے اور میرا خون بہانے سے کسی طرح باز نہ آئیں گے تو آپ نے فرمایا: اب تم لوگ جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جسے میرے مقابلے کے لیے بھیجنا چاہو بھیجو۔ بڑے بڑے مشہور بہادر جو شیر خدا کے شیر سے مقابلہ کے لیے محفوظ رکھے گئے تھے ان میں سے ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم بن قحطبہ کو امام رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا جو ملک شام کا نامی گرامی پہلوان تھا۔ وہ غرور و تمکنت سے ہاتھی کی طرح جھومتا اور اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہوا حضرت کے سامنے آیا اور آتے ہی آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ ابھی اس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ شیر خدا کے شیر نے ذوالفقار حیدری سے ایسا وار کیا کہ اس کا سر جسم سے اڑا دیا اور اس کے گھمنڈ کو خاک میں ملا دیا۔

پھر یزید ابطحی بڑے کروفر کے ساتھ آگے بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابل بہادری کا جوہر دکھا کر یزیدیوں کی جماعت میں اپنی شاباش حاصل کرے۔ آپ کے سامنے جا کر ایک نعرہ مارا اور کہا کہ شام و عراق کے بہادرانِ کوہ شکن میں میری بہادری کا غلغلہ ہے۔ ساری دنیا کے لوگ میری بہادری کا لوہا مانتے ہیں اور میرے مقابلے سے بھیڑ و بکری کی طرح بھاگتے ہیں۔ کسی میں مجھ سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

امام عالی مقام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں۔ میں اپنی رگوں میں ہاشمی خون رکھتا

ہوں۔ فاتح خیبر شیر خدا علی مشکل کشا کا شیر نر ہوں۔ تم جیسے نامردوں کی میری نگاہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں۔ میرے نزدیک مکھی اور مچھر سے زیادہ تیری حیثیت نہیں۔ شامی جوان یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً گھوڑا دوڑا کر آپ پر تلوار کا وار کر دیا۔ حضرت امام نے اس وار کو بے کار کر دیا اور پھر جھپٹ کر اس کی کمر پر تلوار ماری کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

گرا فولاد کا ٹکڑا زمیں پہ سرنگوں ہو کر
تکبر بہہ گیا زخموں کے رستے موج خوں ہو کر

بدر بن سہیل اس منظر کو دیکھ کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور ابن سعد سے کہا تم نے کن گنواروں کو حسین کے مقابلہ میں بھیج دیا۔ وہ ہاتھ جو جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ میرے چاروں بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیج دے ابھی منٹوں میں حسین کا سر کاٹ کر لاتے ہیں۔ ابن سعد نے اس کے بڑے بیٹے کو اشارہ کیا۔ وہ اتراتا ہوا امام عالی مقام کے سامنے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہوتا تیرا باپ مقابلہ کے لیے آتا تاکہ وہ تجھے خاک و خون میں تڑپتا ہوا نہ دیکھتا۔ پھر آپ نے ذوالفقار حیدری سے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر کے اسے جہنم رسید کر دیا۔

بدر نے جب اس ذلت سے اپنے بیٹے کو قتل ہوتے دیکھا تو غیظ و غضب کا پتلا بن کر گھوڑا دوڑا کر امام کے سامنے آیا اور پہنچتے ہی نیزہ سے وار کیا۔ آپ نے اس کے نیزہ کو قلم کر دیا۔ اس نے فوراً تلوار سنبھالی اور کہا حسین! دیکھنا میں وہ شمشیر مارتا ہوں کہ پہاڑوں پر ماروں تو وہ سرمہ بن جائیں۔ یہ کہتے ہوئے امام پر تلوار چلا دی مگر آپ نے اس کے وار کو خالی لوٹا دیا اور اس پر ذوالفقار حیدری سے بھرپور حملہ کیا کہ بدر کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا گرا۔

اسی طرح شام و عراق کے ایک سے ایک بہادر حضرت امام عالی مقام کے مقابل

آتے رہے لیکن جو بھی سامنے آیا آپ نے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کوئی ان میں سے زندہ بچ کر واپس نہیں گیا۔

غرض کہ امام عالی مقام نے دشمنوں کی لاشوں کا انبار لگا دیا۔ بہادرانِ عراق و شام کے خونوں سے کربلا کے پیاسے ریگستان کو سیراب کر دیا۔ دشمنوں کے لشکر میں شور بپا کر دیا۔

دشمنوں نے کہا اب اورانہیں موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کر دو۔

اب سینکڑوں تلواریں بیک وقت چلنے لگیں۔ پچاسوں نیزے آپس میں ٹکرانے لگے اور دشمن بڑھ کر امام پر وار کرنے لگے۔ ادھر آپ کی تلوار جلال حیدری کی تصویر اور لاسیف الاذوالفقار کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ آپ تیغ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے جس پر حملہ کرتے پرے کے پرے کاٹ ڈالتے اور دشمنوں کے سروں کو اس طرح اڑاتے جیسے بادِ خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔

ابن سعد نے جب دیکھا کہ کامیابی کی کوئی امید نہیں ہمارے لیے' تو اس نے حکم دے دیا کہ چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب خوب زخمی ہو جائیں تو نیزوں سے حملہ کیا جائے۔ تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور بیک وقت ہزاروں تیر کمانوں سے چھوٹنے لگے اور تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی طاقت نہ رہی۔ مجبوراً حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں اور امام مظلوم کا جسم اقدس تیروں کا نشانہ بنا ہے۔ تن نازنیں زخموں سے چور اور لہولہان ہو رہا ہے۔ بیوفا کوفیوں نے جگر پارۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم' فرزندِ بتول کو مہمان بلا کر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ زہر میں بجھا ہوا ایک تیر آپ کی اس مقدس پیشانی پر لگا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں بار چوما تھا۔ تیر لگتے ہی چہرہ انور پر خون کا دھارا بہہ نکلا۔ آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے فرش زمین پر آ گئے۔ اب ظالموں نے نیزوں سے حملہ کیا کہ شیطان صفت سنان نے ایک ایسا نیزہ مارا جو تن اقدس کے پار ہو گیا۔ تیر و شمشیر کے ۷۲ زخم کھانے کے بعد آپ

سجدہ میں گرے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن کی عمر مبارک میں جمعہ مبارک کے دن محرم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو امام عالی مقام نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

یزیدیوں نے سمجھا کہ ہم نے حسین کو مار ڈالا اور وہ مر گئے لیکن زمین کربلا کا ذرہ ذرہ زبان حال سے ہمیشہ یہ پکارتا رہے گا۔ اے حسین!

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

نضر بن خرشہ آپ کے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنے کے لیے آگے بڑھا لیکن امام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ گئی۔ پھر بدبخت ازلی خولی بن یزید، سنان بن انس، شبل بن یزید نے آپ کے سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کیا۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین (رضی اللہ عنہ)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ جانکاہ

برادرانِ اسلام! واقعہ کربلا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صدمہ جانکاہ گزرا اور ان کے قلب نازک کو جو دکھ پہنچا اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔

حضرت سلمٰی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی تھیں، ابو رافع کی زوجہ ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا: آپ کیوں روتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ ان کے سر مبارک اور

ریش اقدس (داڑھی) پر گردوغبار ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: میں ابھی حسین کی شہادت گاہ پر گیا تھا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۰)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک چہرۂ انور پر بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں اور دست اقدس میں خون سے بھری ہوئی ایک بوتل ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہو میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں یہ بوتل کیسی ہے؟ اور اس قدر رنج و ملال کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اس بوتل میں میرے نورِ نظر حسین اور ان کے جانثار ساتھیوں کا خون ہے جسے میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت اور تاریخ کو یاد رکھا۔ کچھ دنوں بعد جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حسین اسی وقت شہید کئے گئے ہیں۔

(نور الابصار ص ۱۲۰)

وصلی اللّٰہ تعالٰی وسلم علی النبی الکریم
وعلٰی اٰلہٖ واصحبہٖ واھلِ بیتہٖ اجمعین
برحمتك یا ارحم الراحمین

خاصۂ ربِ داور پہ لاکھوں سلام — مالکِ حوضِ کوثر پہ لاکھوں سلام
نورِ عینِ پیمبر پہ لاکھوں سلام — تشنۂ آبِ خنجر پہ لاکھوں سلام
اس شہیدِ دلاور پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

جس کا جھولا فرشتے جھلاتے رہے — لوریاں دے کے نوری سلاتے رہے
جس کو کندھوں پہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم بٹھاتے رہے — جس پہ سفاک خنجر چلاتے رہے

اس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

جو جوانانِ جنت کا سالار ہے — جس کا نانا دو عالم کا سردار ہے
جو سراپائے محبوبِ غفار ہے — جس کا سر دشت میں زیرِ تلوار ہے

اس صداقت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

واقعات بعد شہادت

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا تو عظیم سے عظیم تر گناہ کرنے اور بڑے سے بڑا ظلم دکھانے سے بھی وہ نہیں ڈرتا۔ یہی حال یزیدیوں کا ہوا۔ خدائے تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں نہیں تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جگر پارۂ بتول کو صرف بے دردی کے ساتھ شہید کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے جسم اقدس سے کپڑے اتار لیے اور گھوڑوں کے ٹاپوں سے آپ کی لاش مبارک کو پامال کر کے ہڈیاں چکنا چور بھی کیں۔ پھر خیمے کی طرف بڑھے، تمام اسباب اور سارا مال لوٹ لیا یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کے سروں سے چادریں کھینچ لیں اور خیموں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔ (طبری، ص ۲۸۳، ج ۲)

جل گیا خیمہ اطہر لیکن — دین پر آنچ نہیں آنے دی
مرحبا جرأت ابن حیدر — سر دیا بات نہیں جانے دی

امام عالی مقام کا سر مبارک خولی بن یزید کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا اور باقی شہداء کے سر قیس بن اشعث اور شمر وغیرہ کے ساتھ روانہ کیے گئے۔ خود ابن سعد اس روز کربلا میں ٹھہر گیا اور ۱۱ محرم کی صبح کو اپنی فوج کے تمام مقتولین کو جمع کیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا مگر شہدائے راہِ حق کی لاشوں کو بے گور و کفن پڑا رہنے دیا۔ پھر پردہ نشین خواتین جو بیمار زین العابدین اور چند چھوٹے بچوں کے ساتھ کھلے آسمان کے

پیچھے رات بھر میدان میں پڑی رہیں انہیں قیدی بنا کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

ابن زیاد اور امام کا سر انور

امام عالی مقام کا سر انور جب کوفہ پہنچا اور بھرے دربار میں ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں رکھا گیا' اس وقت ظالم ابن زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی: جس سے وہ آپ کے لبوں اور دانتوں کو ٹھوکریں لگانے لگا۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھے صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو اس وقت وہاں موجود تھے' اس گستاخ کو دیکھ کر تڑپ اٹھے اور روتے ہوئے فرمایا: چھڑی کو ہٹا لے' خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ ان لبوں اور دانتوں کو چوما کرتے تھے اور پھر وہ زار و قطار رونے لگے۔

ابن زیاد نے کہا: تجھے خدا خوب رلائے اگر تو بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل خراب نہ ہوتی تو میں تیری گردن مار دیتا۔ حضرت زید وہاں سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ غلام نے غلام کو حاکم بنا دیا جس نے سارے بندگانِ خدا کو اپنے خانہ زاد بنا لیا۔ اے قوم عرب! آج سے تم سب غلام ہو گئے۔ تم نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا حاکم بنا لیا جو اچھوں کو قتل کر رہا ہے اور بروں کو غلام بنا رہا ہے۔ تم نے ذلت کو گوارا کر لیا اور جو ذلت کو گوارا کرے اس پر خدا کی مار ہو۔ (طبری' ص ۲۸۷' ج ۲)

ایک اور جانثار کی شہادت

اعلان ہوا کہ لوگ بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں۔ جب بہت سے لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے تو ابن زیاد بدنہاد مسجد میں گیا اور منبر پر کھڑے ہو کر کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے حق اور اہل حق کی مدد کی۔ امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو کامیابی عطا فرمائی' ان کو فتح و نصرت سے سرفراز کیا اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور ان کے گروہ کو شکست دی اور ان کو ہلاک کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جب اس بدبخت نے

حضرت امام حسین اور ان کے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کذاب کہا تو حضرت عبداللہ بن عفیف ازدی جو محب اہلِ بیت تھے' دونوں آنکھوں سے معذور تھے اور سارا دن ذکر وفکر اور نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گزارتے تھے وہ ابن زیاد کی گستاخی کو برداشت نہ کر سکے' بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرط غضب سے کانپتے ہوئے فرمایا: او ابن مرجانہ! تو ہی کذاب ابن کذاب ہے اور جس نے تجھے حاکم بنایا وہ بھی کذاب ہے۔ حسین سچے' ان کے باپ سچے' ان کے نانا سچے' تم لوگ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مجرم ہو اور باتیں صدیقین جیسی کرتے ہو۔ ابن زیاد نے کہا اسے پکڑ لو! سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ابن عفیف کی قوم کے بہت لوگ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ان کو چھڑا لیا مگر ظالم ابن زیاد کو ان کا خون بہائے بغیر چین نہ آیا۔ گھر سے بلوا کر انہیں قتل کیا اور شاہراہ عام پر ان کی لاش کو دار پر لٹکا دیا۔ اس طرح کوثر کے ساحل پر ایک جانثار کا اور اضافہ ہوا۔

(طبری' ص ۲۸۹' ج ۲)

پھر ابن زیاد نے امام کے سر مبارک کو کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے غیرتی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد امام اور ان کے تمام جانثار شہدائے کرام کے سروں کو اور اسیران اہلِ بیت کو ایک جماعت کے ہمراہ شمر وغیرہ کی سرکردگی میں یزید پلید کے پاس اس حالت میں روانہ کیا کہ حضرت زین العابدین کے ہاتھ پاؤں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا اور بیبیوں کو اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بٹھایا گیا تھا اور ظالم نے حکم دیا تھا کہ سروں کو نیزوں پر بلند کیے ہوئے آبادیوں میں سے ہو کر گزرنا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کوئی یزید کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو۔

راہب کا قبول اسلام

ایک راہب نے ان بدبختوں سے کہا کہ اگر رات بھر اپنے نبی کے نواسے کا سر ہمارے پاس رہنے دو تو ہم تمہیں دس ہزار درہم دیں گے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔

راہب نے رقم ادا کر کے حضرت کا سر مبارک لیا اور مخصوص کمرہ میں لے گئے۔ پھر سرانور، چہرۂ مبارک اور مقدس زلفوں اور داڑھی کے بالوں پر جو گرد و غبار اور خون وغیرہ جما ہوا تھا اسے دھویا اور عطر و کافور لگایا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے سامنے رکھ کر اس کی زیارت کرنے لگا۔ خدائے عز وجل اس کے اس ادب سے راضی ہوا۔ اس نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ راہب رونے لگا اور اس کی نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ اس نے دیکھا کہ سر اقدس سے آسمان تک نور ہی نور ہے۔ جب اس نے سر مبارک کی یہ کرامت دیکھی تو صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور صبح کو سر انور ان کے حوالے کر دیا۔

بد بخت جب وہاں سے چل کر دوسری منزل پر پہنچے اور درہموں کو تقسیم کرنے کے لیے تھیلیوں کے منہ کو کھولا تو دیکھا کہ سب درہم ٹھیکری ہو گئے ہیں اور ان کے ایک طرف یہ آیت کریمہ لکھی ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۭ یعنی ظالم جو کرتے ہیں خدائے تعالیٰ کو اس سے غافل ہرگز نہ جانو (پ ۱۳، ع ۱۹) اور دوسری طرف یہ آیت مبارکہ لکھی تھی: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ یعنی ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (پ ۱۹، ع ۱۵)

باجے بجے

یزید پلید کو معلوم ہوا کہ اسیران کربلا اور امام حسین وغیرہ کا سر عنقریب دمشق آنے والا ہے تو اس نے پورے شہر کو آراستہ کرنے اور سب کو خوشی منانے کا حکم دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سہل تجارت کے لیے ملک شام آئے ہوئے تھے۔ جب وہ دمشق شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ سب لوگ باجے بجاتے اور خوشی مناتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ اہل عراق نے امام حسین بن علی کے سر کو یزید کے پاس ہدیہ بھیجا ہے۔ تمام اہل شہر اس کی خوشی منا رہے

ہیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ایک آہ بھری اور پوچھا کہ حضرت حسین کا سر کون سے دروازے سے لائیں گے؟ کہا باب الساعۃ سے۔ آپ اس طرف تیزی سے بڑھے اور بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اہلِ بیت تک پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا ایک سر جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بہت مشابہ ہے' نیزہ پر چڑھا کر رکھا گیا ہے جسے دیکھ کر آپ بے اختیار رو پڑے۔ اہلِ بیت میں سے ایک نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ حضرت سہل نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا: میرا نام سکینہ بنت حسین ہے۔ انہوں نے فرمایا اور میں آپ کے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمایئے۔ حضرت سکینہ نے فرمایا: میرے والد کے سر انور کو سب سے آگے کرا دیجئے تا کہ لوگ ادھر متوجہ ہو جائیں اور ہم سے دور رہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم دے کر حضرت امام کے سر مبارک کو مستورات سے دور کرا دیا۔

(تذکرہ ص ۱۰۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محرم کے دنوں میں باجا بجانا حضرت امام کے دشمنوں کی سنت ہے۔ آپ کے محبین کا گھر تو ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ان کے یہاں اس موقع پر باجا بجانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خدائے تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور یزیدیوں کے کاموں پر عمل کرنے سے بچائے۔ آمین

امام کا سر مبارک اور یزید

قافلہ عراق میں سے جو شخص سب سے پہلے یزید سے ملا وہ زہیر بن قیس تھا۔ جب اس نے شہادت حسین کی خبر یزید کو سنائی تو وہ آبدیدہ ہو گیا اور کہا میں تمہاری اطاعت سے اس وقت خوش ہوتا کہ تم نے حسین کو نہ قتل کیا ہوتا (طبری ص ۲۹۰ ج ۲) پھر شمر ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ عائذی سب کو لیے یزید کے دروازہ پر پہنچے۔ محضر نے بلند آواز سے کہا: امیر

المؤمنین کے دربار میں بدترین اور ملامت زدہ شخص کا سر لے آئے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ یزید نے سن کر کہا سب سے بدتر اور ملامت زدہ شخص وہی شخص ہے جس کو محضر کی ماں نے جنا ہے۔ پھر وہ اندر داخل ہوئے اور امام کے سر مبارک کو یزید کے سامنے طشت میں رکھا۔ یزید نے سرانور کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے حسین! واللہ اگر تمہارا معاملہ میرے ہاتھ پڑتا تو میں تم کو قتل نہ کرتا۔ مروان کا بھائی یحییٰ بن حکم اس وقت یزید کے پاس موجود تھا اس نے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ابن زیاد کمینے اور کھوٹے نسب والے سے اس لشکر کی قرابت زیادہ ہے جو زمین طف کے پہلو میں قتل کیا گیا۔ سمیہ کی نسل تو سنگریزوں کی تعداد کے برابر ہو گی اور بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی نہ رہی۔ یزید نے یہ سن کر یحییٰ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا خاموش۔ (طبری، ص ۳۹۱، ج ۲)

پھر یزید نے امام عالی مقام کے لبوں اور دانتوں کو چھڑی لگاتے ہوئے کہا کہ اب ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ حصین بن الحمام شاعر نے کہا ہے کہ ہماری قوم نے تو انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا' ان تلواروں نے انصاف کر دیا جن سے خون ٹپکتا تھا۔

پہلے جو ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت امام کی شہادت کی خبر سن کر یزید رونے لگا اور پھر اس نے کہا کہ اے حسین! واللہ اگر تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں پڑتا تو میں تم کو قتل نہ کرتا۔ ان باتوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امام حسین کے قتل سے راضی نہ تھا لیکن حالات بتاتے ہیں کہ یہ اس کی سیاست تھی تاکہ ہماری بدنامی نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر واقعی وہ راضی نہ ہوتا تو ظالم ابن زیاد اور ابن سعد وغیرہ قاتلین امام حسین سے ضرور مواخذہ کرتا اور ان کو سزا دیتا۔

مدینہ منورہ کو واپسی

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جو حضرت مسلم بن

عقیل کے ساتھ کوفہ میں سختی نہ کرنے کے سبب گورنری سے معزول کر دیئے گئے تھے یزید نے انہیں اہلِ بیت رسالت کا ہمدرد سمجھا اور انہیں بلایا اور کہا کہ حسین کے اہل وعیال کو حفاظت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچانے کا انتظام کرو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تیس آدمیوں کا حفاظتی دستہ گیا۔ وہ اہلِ بیت کو لے کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ بھر نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آرہے تھے۔ مدینہ طیبہ کے لوگوں کو واقعہ کربلا کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ قافلہ سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا' حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ جو ابھی تک صبر وضبط کا پیکر بنے ہوئے خاموش تھے' جیسے ہی ان کی نظر قبر انور پر پڑی اور ابھی اتنا ہی کہا تھا نانا جان! اپنے نواسے کا سلام قبول فرمایئے کہ ان کا صبر کا پیانہ چھلک اٹھا اور وہ اس طرح درد کے ساتھ روئے اور حالات بیان کرنے شروع کئے کہ کہرام برپا ہو گیا اور قیامت کا نمونہ قائم ہو گیا۔

سید الشہداء حضرت امام حسین کا سر انور کہاں دفن کیا گیا اس میں اختلاف ہے۔ مشہور ہے کہ اسیران کربلا کے ساتھ یزید نے آپ کے سر مبارک کو مدینہ طیبہ روانہ کیا جو سیدہ فاطمۃ الزہرا یا حضرت امام حسن کے پہلو میں دفن کیا گیا (رضی اللہ عنہم)۔

کربلا کے بعد یزید کی خباثت' مدینہ منورہ پر چڑھائی

حضرت امام حسین کی ذاتِ پاک یزید کی آزادیوں کے لیے بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ بالکل ہی بے لگام ہو گیا۔ پھر تو ہر قسم کی برائیوں کا بازار گرم ہو گیا۔ زنا' لواطت' حرام کاری' بھائی بہن کا نکاح' سود اور شراب وغیرہ علانیہ طور پر رائج ہو گیا اور نمازوں کی پابندی اٹھ گئی۔ پھر اس کی شیطانیت یہاں تک پہنچی کہ ۶۳ ہجری میں مسلم بن عقبہ کو بارہ یا بیس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس بدبخت لشکر نے مدینہ منورہ میں وہ طوفان برپا کیا کہ الامان

والحفیظ۔ قتل و غارت گری اور طرح طرح کے مظالم کا بازار گرم کیا' لوگوں کے گھروں کو لوٹ لیا' سات سو صحابہ کو بے گناہ شہید کر دیا۔

ایک شخص کو جب قتل کیا گیا تو اس کی ماں ام یزید بن عبداللہ بن ربیعہ نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں گی تو اس ظالم مسلم کو زندہ یا مردہ جلاؤں گی۔ جب وہ ظالم مدینہ منورہ میں قتل و غارت کے بعد مکہ کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں جا کر عبداللہ بن زبیر اور وہاں کے ان لوگوں کا بھی کام تمام کرے جو یزید کے خلاف ہیں تو اتفاقاً راستہ میں اس پر فالج گرا اور مر گیا۔ اس جگہ یزید کے حکم کے مطابق حصین بن نمیر سکونی قائد لشکر بنا۔ مسلم کو انہوں نے وہیں دفن کر دیا۔ جب یہ خبیث لشکر آگے بڑھا تو اس عورت کو مسلم کے مرنے کا پتہ چلا۔ وہ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر آئی تا کہ اسے قبر سے نکال کر جلائے اور اپنی قسم پوری کرے۔ جب قبر کھودی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک اژدھا اس کی گردن سے لپٹا ہوا ہے اور اس کی ناک کی ہڈی پکڑے چوس رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سب ڈر گئے اور عورت کہنے لگی کہ خدائے تعالیٰ خود ہی اس کے اعمال کی سزا اس کو دے رہا ہے اور اس نے عذاب کا فرشتہ اس پر مسلط کر دیا ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں اپنی قسم ضرور پوری کروں گی۔ مجبور ہو کر سب نے کہا: اچھا اس کو پیروں کی طرف سے نکالنا چاہیے۔ جب ادھر سے مٹی ہٹائی تو دیکھا کہ اس کے پیروں کی طرف بھی ایک سانپ لپٹا ہوا ہے۔ پھر سب نے اس عورت سے کہا: اب اس کو چھوڑ دے' اس کے لیے یہی سزا کافی ہے مگر وہ عورت نہ مانی۔ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ کے حضور دعا مانگی الٰہی تو خوب جانتا ہے اس ظالم پر میرا غصہ محض تیری رضا کے لیے ہے' مجھے یہ قدرت دے کہ میں اپنی قسم پوری کروں اور اس کو جلاؤں۔ یہ دعا کر کے اس نے ایک لکڑی سانپ کی دم پر ماری' وہ گردن سے اتر کر چلا گیا۔ پھر دوسرے سانپ کو ماری تو وہ بھی چلا گیا تب انہوں نے مسلم کی لاش کو قبر سے نکالا اور جلا دیا۔ (شام کربلا' ص ۲۴۵)

مکہ پر حملہ

مسلم کی ہلاکت کے بعد حصین بن نمیر جو شامی لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اس نے مکہ جا کر وہاں حملہ کر دیا۔ اہل مکہ اور حجاز والے یزید کی بیعت کو توڑ کر حضرت عبداللہ بن زبیر سے بات کر چکے تھے ان کی فوج نے لشکر یزید کا مقابلہ کیا اور صبح سے شام تک لڑائی جاری رہی مگر فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ دوسرے دن حصین بن نمیر نے منجنیق جو پتھر پھینکنے کی مشین ہوتی ہے اسے کوہ ابوقبیس پر نصب کر کے پتھر برسانا شروع کر دیئے۔

حرم شریف کے باشندوں کا گھر سے نکلنا دشوار تھا۔ تقریباً دو ماہ تک وہ سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ یہاں شامی لشکر کعبہ شریف کی بے حرمتی میں لگا ہوا تھا ادھر شہر حمص میں ۱۵ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو ۳۹ سال کی عمر میں یزید ہلاک ہو گیا۔

سب سے پہلے یہ خبر حضرت عبداللہ بن زبیر کو ملی۔ انہوں نے بلند آواز میں پکار کر کہا: اے شامی بدبختو! تمہارا گمراہ سردار یزید ہلاک ہو گیا ہے تو اب کیوں لڑ رہے ہو؟ شامیوں نے پہلے اس بات کو حضرت عبداللہ بن زبیر کے فریب پر محمول کیا لیکن تیسرے دن جب انہیں ثابت بن قیس نے کوفہ سے آ کر یزید کے مرنے کی خبر سنائی تو انہیں یقین ہوا۔ اب ان کے حوصلے پست ہو گئے اور حضرت عبداللہ کی فوج کے حوصلے بلند ہو گئے۔ وہ شامیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح اہل مکہ کو ان کے شر سے نجات ملی۔

یزید نے کل تین برس سات مہینے تک حکومت کی۔ جب وہ قریہ حوارین میں ہلاک ہوا تو اس کی موت پر ابن عروہ نے چند اشعار کہے جن کے معنی یہ ہیں: اے بنی امیہ! تمہارے بادشاہ کی لاش حوارین میں پڑی ہے۔ موت نے ایسے وقت میں آ کر اسے مارا جبکہ اس کے تکیہ کے پاس کوزہ شراب کا مشکیزہ سر بمہر لبالب بھرا رکھا تھا اور اس کے نشہ سے مر جانے پر ایک گانے والی سارنگی لیے رو رہی تھی جو کبھی بیٹھ جاتی اور کبھی کھڑی ہو جاتی۔

قاتلین امام حسین کا عبرتناک انجام

عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں کوفہ پر مختار بن عبید ثقفی کو تسلط حاصل ہوا۔ اس نے کہا: میں قاتلین حسین میں سے ایک کو بھی اس دنیا میں چلتے پھرتے نہیں رہنے دوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ پر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہو۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے ہر اس شخص کا نام و پتہ بتاؤ جو حضرت امام کے مقابلے میں کربلا گیا تھا۔ لوگوں نے بتانا شروع کیا اور مختار نے ایک ایک کو قتل کرنا اور سولی پر لٹکانا شروع کر دیا۔

ابن سعد کا قتل

مختار نے ایک دن کہا کہ میں کل ایک شخص کو قتل کروں گا کہ اس سے تمام مومنین اور ملائکہ مقربین بھی خوش ہوں گے۔ ہثیم بن اسود نخعی اس وقت مختار کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ سمجھ گیا کہ عمرو ابن سعد کل مارا جائے گا۔

دوسرے دن صبح کو مختار نے ابن سعد کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ اس نے اپنے بیٹے حفص کو بھیج دیا۔ مختار نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ خلوت نشین ہو گیا ہے اب گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ مختار نے کہا: اب وہ رے کی حکومت کہاں ہے جس کے لیے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہایا تھا۔ اب کیوں اس سے دستبردار ہو کر گھر میں بیٹھا ہے؟ حضرت حسین کی شہادت کے دن وہ کیوں خانہ نشین نہ ہوا تھا؟ پھر مختار نے اپنے کوتوال ابو عمرہ کو بھیجا کہ ابن سعد کا سر کاٹ کر لے آئے۔ وہ ابن سعد کے پاس گیا اور اس کا سر کاٹ کر اپنی قباء کے دامن میں چھپا کر مختار کے پاس لایا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پہچانتے ہو یہ سر کس کا ہے؟ اس نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا پھر کہا یہ میرے باپ کا سر ہے اور اب کے بعد زندگی میں کوئی مزا نہیں۔ مختار نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو اور تم زندہ بھی نہیں رہو گے۔ پھر اسے بھی قتل کر دیا اور

کہا باپ کا سر حسین کا بدلہ اور بیٹے کا سر علی اکبر کا۔ اگر چہ یہ دونوں ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ خدا کی قسم اگر میں قریش کے تین دستے بھی قتل کر ڈالوں تب بھی وہ سب حسین کی انگلیوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر مختار نے دونوں کے سر حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔

خولی بن یزید کو قتل کے بعد جلا دیا گیا

خولی وہ بد بخت انسان ہے جس نے امام کے سر انور کو جسم اقدس سے جدا کیا تھا۔ مختار نے اپنے کوتوال ابو عمرہ کو چند سپاہیوں کے ساتھ اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے آ کر خولی کے گھر کو گھیر لیا۔ جب اس بد بخت کو معلوم ہوا تو وہ ایک کوٹھڑی میں چھپ گیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ تم لاعلمی ظاہر کر دینا۔ کوتوال نے اس کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ اس کی بیوی باہر نکل آئی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا شوہر کہاں ہے؟

چونکہ جس وقت سے خولی حضرت امام کا سر لایا تھا وہ اس کی دشمن ہو گئی تھی' اس لیے اس نے زبان سے تو کہا مجھ معلوم نہیں وہ کہاں ہے مگر ہاتھ کے اشارہ سے اس کے چھپنے کی جگہ بتا دی۔

سپاہی اس مقام پر گئے تو دیکھا کہ سر پر ٹوکرا رکھے ہوئے زمین سے چپکا ہوا ہے۔ اس کو گرفتار کر کے لا رہے تھے کہ مختار کوفہ کی سیر کے لیے نکلا تھا راستہ میں مل گیا۔ اس کے حکم سے خولی کے گھر والوں کو بلا کر ان کے سامنے شاہراہ عام پر قتل کر دیا گیا' پھر اسے جلا دیا گیا اور جب تک اس کی لاش جل کر راکھ نہیں ہو گئی مختار کھڑا رہا۔

(طبری ص ۶۱ ج ۲ ج ۲۶)

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

شمر قتل کے بعد کتوں کے حوالے کیا گیا

مسلم بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب حضرت امام کے مقابلے میں کربلا جانے

والوں کو پکڑ پکڑ کر مختار قتل کرنے لگا تو ہم اور شمر ذی الجوشن تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر کوفہ سے بھاگ نکلے۔ مختار کے غلام ذربی نے ہمارا پیچھا کیا۔ ہم نے بڑی جلدی کی مگر ذربی قریب آ گیا۔ شمر نے ہم سے کہا: تم گھوڑے کو ایڑی لگا کر ہم سے دور ہو جاؤ شاید غلام میری تاک میں آ رہا ہے۔ ہم اپنے گھوڑے کو خوب تیزی سے بھگا کر شمر سے الگ ہو گئے۔ غلام نے پہنچتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو شمر اس کے وار سے بچنے کے لیے گھوڑے کو چکر دیتا رہا اور جب ذربی اپنے ساتھیوں سے دور ہو گیا تو شمر نے ایک ہی وار کیا اور ذربی کی کمر توڑ دی۔

ذربی کو قتل کرنے کے بعد شمر کلتانیہ گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ اس نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر مارا پیٹا اور اسے مجبور کیا کہ یہ میرا خط مُصعب بن زبیر کے پاس پہنچاؤ۔ اس خط پر یہ پتہ لکھا تھا شمر ذی الجوشن کی طرف سے امیر مصعب بن زبیر کے نام۔ کسان اس کے خط کو لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بڑا گاؤں آباد تھا جہاں کوتوال ابوعمرہ چند سپاہیوں کے ہمراہ جنگی چوکی قائم کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ یہ کسان اسی گاؤں کے ایک کسان سے مل کر شمر نے جو اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس کو بیان کر رہا تھا کہ ایک سپاہی ان کے پاس سے گزرا' اس نے شمر کے خط اور اس کے پتہ کو دیکھا' پوچھا کہ شمر کہاں ہے؟ اس نے بتا دیا۔ معلوم ہوا کہ پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ابوعمرہ فوراً اپنے سپاہیوں کو لیے ہوئے شمر کی طرف چل پڑا۔ مسلم بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں رات میں شمر کے ہمراہ تھا۔ میں نے اس سے کہا بہتر ہے کہ ہم لوگ اس جگہ سے روانہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ ہمیں یہاں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا تین دن سے پہلے یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ وہاں ریچھ بہت زیادہ تھے۔ ابھی آدھی رات نہیں گزری تھی اور مجھے برابر نیند آ رہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا ریچھ ہوں گے مگر جب آواز تیز ہو گئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا' اپنی آنکھوں کو ملنے لگا اور کہا

یہ ریچھوں کی آواز ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اتنے میں انہوں نے پہنچ کر تکبیر کہی اور ہماری جھونپڑیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ ہم اپنے گھوڑے چھوڑ کر پیدل ہی بھاگے۔ وہ لوگ شمر پر ٹوٹ پڑے جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے برص کی سفیدی چادر کے اوپر سے نظر آ رہی تھی وہ کپڑے اور زرہ وغیرہ بھی نہیں پہن سکا۔ اسی چادر کو اوڑھے ہوئے اس کا مقابلہ کرنے لگا۔ ابھی ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ تکبیر کی آواز کے بعد ہم نے سنا کہ اللہ نے خبیث کو قتل کر دیا۔ پھر ان لوگوں نے اس کے سر کو کاٹ کر لاش کو کتوں کے لیے پھینک دیا۔ (طبری ۵۷ ج ۲ ح ۲)

حکیم برہنہ کر کے تیروں کا نشانہ بنایا گیا

حکیم بن طفیل طائی وہ بدنصیب انسان ہے کہ جس نے کربلا میں حضرت عباس علمبردار کے لباس واسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تھا۔ مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لیے چند سپاہیوں کے ساتھ بھیجا۔ وہ پکڑ کر اسے مختار کی طرف چلا۔ حکیم کے گھر والے عدی کے پاس فریادی ہوئے کہ آپ مختار سے سفارش کر کے اس کو چھڑا دیں۔ مختار عدی کی بہت قدر کیا کرتا تھا وہ سفارش کے لیے مختار کے پاس گئے۔ وہ عدی کے ساتھ عزت سے پیش آیا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا۔ عدی نے اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ مختار نے کہا اے ابوظریف! کیا آپ قاتلین حسین کے لیے بھی سفارش کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا حکیم پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ مختار نے کہا: اچھا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔

سپاہیوں کو رستہ میں معلوم ہوا کہ عدی مختار کے پاس حکیم کی سفارش کے لیے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے سردار ابن کامل سے کہا کہ مختار عدی کی سفارش قبول کر لیں گے اور یہ خبیث بچ جائے گا حالانکہ آپ اس کے جرم سے بخوبی واقف ہیں لہٰذا بہتر ہے کہ ہم ہی اس کو قتل کر دیں۔ ابن کامل نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ لوگ حکیم کو ایک گھر میں لے

گئے۔ اس کی مشکیں باندھ دی تھیں۔ اسے ایک جگہ کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباس بن علی کے کپڑے اتارے تھے۔ ہم تیری زندگی ہی میں تیرے سارے لباس کو اتارتے ہیں چنانچہ ان لوگوں نے اسے بالکل ننگا کر دیا۔ پھر کہا تو نے امام کو تیر مارا تھا ہم بھی تجھے تیروں کا نشانہ بناتے ہیں یہ کہہ کر انہوں نے اسے تیروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔

نیزوں سے چھید چھید کر مار ڈالا

بنی صدا کا ایک بد بخت جس کا نام عمرو بن صبیح تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے حسین کے ساتھیوں کو تیر سے زخمی کیا ہے مگر اس کو قتل نہیں کیا۔ سب لوگوں کے سو جانے کے بعد مختار نے اس کی گرفتاری کے لیے سپاہیوں کو روانہ کیا۔ جب وہ اس کے گھر گئے تو وہ چھت پر بے خبر سو رہا تھا اور اس کی تلوار اس کے سرہانے رکھی تھی۔ سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا۔ وہ کہنے لگا: اللہ اس تلوار کا برا کرے یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی اور اب کتنی دور ہے۔ سپاہی رات ہی میں انہیں مختار کے سامنے لائے۔ مختار نے حکم دیا کہ صبح تک اسے قید میں رکھو۔ پھر صبح کو دربار عام کیا جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور ابن صبیح اس کے سامنے لایا گیا تو نہایت دلیری سے بھرے دربار میں کہنے لگا: اے گروہ کفار وفجار! اگر اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سے قتل کیا جاتا تو یہ بات میرے لیے باعث مسرت ہوتی۔ اس کے بعد ابن صبیح نے ابن کامل کی آنکھ پر ایک گھونسا مارا۔ ابن کامل ہنسا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اہلِ بیت رسالت کو تیروں سے زخمی کیا تو اب اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ مختار نے کہا نیزے لاؤ اور اسے نیزوں سے چھید چھید کر مارو۔ چنانچہ نیزوں سے مار مار کر اسے ہلاک کیا گیا۔ (طبری، ص ۸۸، ج ۲، ح ۲)

قاتل کو زندہ جلا دیا گیا

ایک شخص جس کا نام زید بن اقاد تھا اس بد بخت نے حضرت عبداللہ بن مسلم بن

عقیل کو تیر مارا تھا جوان کی پیشانی میں لگا تھا۔ انہوں نے پیشانی کو بچانے کے لیے اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا مگر تیر ایسا لگا کہ ہاتھ بھی پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا اور جب کوشش کے باوجود بھی ان کا ہاتھ پیشانی سے جدا نہ ہو سکا تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ یا الٰہ العالمین! ہمارے دشمنوں نے جیسے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسے ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا تو بھی ان کو قتل کر۔ ابن اقاد نے ان کے پیٹ کا تیر تو نکال دیا مگر جو تیر پیشانی پر لگا تھا وہ نہ نکل سکا۔

مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ ابن کامل سپاہیوں کے ساتھ پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ بھی ایک بہادر آدمی تھا۔ اس نے تلوار لے کر ان کا مقابلہ کیا۔ ابن کامل نے اپنے سپاہیوں سے کہا: اسے نیزہ اور تلوار سے ہلاک نہ کرو بلکہ تیر اور پتھر سے مارو۔ سپاہیوں نے اس قدر تیر اور پتھر مارے کہ وہ گر گیا۔ ابن کامل نے کہا دیکھو اگر جان باقی ہو تو اسے باہر لے جاؤ چونکہ ابھی جان باقی تھی تو اسے باہر لایا گیا۔ ابن کامل نے آگ منگوا کر اسے زندہ جلا دیا۔ (طبری ص ۸۷ ج ۲ ح ۲)

ابن زیاد بدنہاد کا عبرتناک انجام

عبیداللہ بن زیاد بدنہاد انسان تھا جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اسی بدبخت کے حکم سے حضرت امام اور آپ کے اہلِ بیت کو تمام ایذائیں پہنچائی گئیں۔ یہی ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ موصل سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک جنگ رہی۔ جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب غروب ہونے والا تھا اسی وقت ابراہیم کی فوج غالب آ گئی۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار کے سامنے لا کر رکھے گئے تو ایک بڑا سانپ نمودار ہوا۔ اس کی ہیبت سے لوگ ڈر

گئے۔ وہ تمام سرداروں میں پھرا جب عبید اللہ بن زیاد کے سر کے پاس پہنچا تو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منہ سے نکلا۔ اس طرح تین بار سانپ اس کے سر کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ (نور الابصار ص ۱۲۴)

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

مختار نے حضرت امام کے قاتلین کے بارے میں بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آخر میں وہ دعویٰ نبوت کر کے مرتد ہوا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) کہنے لگا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آتے ہیں اور مجھ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتے ہیں۔ میں بطور نبی مبعوث ہوا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب اس کے دعویٰ نبوت کی خبر ملی تو آپ نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ فرمایا جو مختار پر غالب ہوا اور ماہِ رمضان ۶۷ ہجری میں اس بدبخت کو قتل کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶)

قاتلین امام حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے عذاب

جو لوگ کہ حضرت امام حسین کے مقابلے میں کربلا گئے اور ان کے قتل میں شریک ہوئے ان میں سے تقریباً چھ ہزار کوفی تو مختار کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور دوسرے لوگ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی نہیں بچا کہ جس نے آخرت کے عذاب سے پہلے اس دنیا میں سزا نہ پائی ہو۔ ان میں سے کچھ تو بری طرح قتل کیے گئے اور کچھ اندھے اور کوڑھی ہوئے اور کچھ لوگ سخت قسم کی آفتوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔

حضرت ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ حضرت امام حسین کے قتل میں جس نے بھی کسی طرح کی کوئی مدد کی وہ مرنے سے پہلے کسی نہ کسی عذاب میں ضرور مبتلا ہوا۔ ایک بوڑھا جو اسی مجلس میں تھا اس

نے کہا کہ میں نے بھی تو مدد کی تھی مگر میں کسی عذاب میں مبتلا نہیں ہوا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ چراغ درست کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو اس آگ نے بوڑھے کو پکڑ لیا اور اس کا پورا بدن جلنے لگا۔ وہ آگ آگ چلاتا رہا یہاں تک کہ دریائے فرات میں کود پڑا مگر آگ نہیں بجھی اور وہ اسی میں جل کر ہلاک ہوگیا۔ (صواعق المحرقہ ص ۱۲۰)

اور امام واقدی سے روایت ہے کہ ایک شخص جو لشکر یزید کے ساتھ تھا مگر اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا واقعہ کربلا کے بعد وہ اندھا ہوگیا۔ اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ آستین مبارک چڑھائے ہوئے اور ہاتھ میں ننگی تلوار لیے ہوئے کھڑے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑا بچھا ہوا ہے اور دس قاتلین حسین ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مجھ پر پڑی تو بہت لعنت ملامت کی اور خون میں ڈبو کر ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی۔ اسی وقت سے میں اندھا ہوگیا۔ (صواعق المحرقہ ص ۱۲۰)

اور حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یزید کے لشکر کا وہ سپاہی کہ جس نے حضرت امام حسین کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا' کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بہت زیادہ کالا ہوگیا ہے تو اس سے کہا گیا کہ تیرا چہرا تو بہت زیادہ خوبصورت تھا پھر اتنا زیادہ کالا کیسے ہوگیا؟ اس نے کہا: جس دن میں نے امام کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اسی روز سے ہر رات میرے پاس دو آدمی آتے ہیں اور مجھے پکڑ کر ایسی جگہ لے جاتے ہیں کہ جہاں بہت سی آگ ہوتی ہے۔ مجھے منہ کے بل اس آگ میں ڈال کر نکال لیتے ہیں اسی وجہ سے میرا منہ اتنا زیادہ کالا ہوگیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص بہت بری موت مرا۔ (صواعق المحرقہ ص ۱۲۰)

منہ سور جیسا ہوگیا

علامہ بارزی حضرت منصور سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ملک شام میں

ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا منہ سور جیسا تھا۔ انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ وہ روزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور ان کی اولاد پر ایک ہزار مرتبہ اور جمعہ کے دن ہزار مرتبہ لعنت بھیجا کرتا تھا تو ایک رات میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اس نے لمبا خواب بیان کیا۔ اسی میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت امام حسین نے اس کے لعنت بھیجنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کے منہ پر تھوک دیا تو اس کا منہ سور جیسا ہو گیا اور وہ لوگوں کے لیے نصیحت بن گیا۔ (صواعق المحرقہ، ص ۱۲۰)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

امام عالی مقام کے مقابلے میں صرف ۲۲ ہزار کا لشکر میدان کربلا گیا تھا تو ایک لاکھ چالیس ہزار کیوں مارے گئے۔ اتنے لوگوں نے کیا گناہ کیا تھا؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ امام کے قتل میں شریک ہوئے ان کے مجرم ہونے کے ساتھ وہ لوگ بھی مجرم ہوئے جو قتل حسین پر راضی تھے لہٰذا قاتلین حسین کے ساتھ وہ مارے گئے۔ اگرچہ ان کے ہمراہ کربلا نہیں گئے تھے۔

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کسی جگہ کوئی گناہ کیا جائے تو جو شخص وہاں حاضر ہو مگر اسے برا سمجھتا ہو تو وہ اس آدمی کی مثل ہے جو موجود نہیں اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو لیکن اس پر راضی ہو تو وہ اس آدمی کی مثل ہے جو وہاں موجود ہو۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۳۶)

شہدائے کربلا کی محافل کے فائدے

محافل محرم سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ حدیث شریف میں ہے:

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور خلفائے راشدین و امامین کریمین حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہم تو

صالحین کے امام و پیشوا ہیں۔ ان کے ذکر کے وقت تو کثیر رحمتیں نازل ہوں گی جن سے ان مجالس میں شرکت کرنے والے خاص طور پر فیض یاب ہوتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذکر کو سن کر اللہ کے محبوب سرکار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حضرت امام کا تذکرہ دین و مذہب کی حرمت قائم رکھنے کے لیے میدان میں نکلنا اور اعلائے کلمۃ الحق کرنا طرح طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرنا اور صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑنا' تین دن بھوکا پیاسا رہنا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے بلکنے کے باوجود حق کی حمایت کرنا اور باطل کے سامنے نہ جھکنا' عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی دیکھ کر بھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا' ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہنا اور مقام صدق و صفا میں ثابت قدم رہنا' ان باتوں کے سننے سے دل میں امام عالی مقام کی عظمت و محبت پیدا ہوتی ہے اور دین و مذہب کی عزت و حرمت باقی رکھنے کے لیے جان و مال کی قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور چوتھا یہ ہے کہ دنیا کے لیے کوفیوں کا اپنی عاقبت برباد کرنا' اہل بیت رسالت کی توہین کرنا' ان کو ستانا اور ایذا دینا' پھر طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونا اور قتل حسین کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار کا مارا جانا' ان باتوں کے سننے سے عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے اور اللہ والوں کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے اور پانچواں فائدہ یہ بھی ہے کہ عشرہ محرم میں امام سے جھوٹی محبت کا دعویٰ رکھنے والوں نے جو طرح طرح کی خرافات اور ناجائز باتیں رائج کر رکھی ہیں مجلسوں کی برکت سے لوگ ان میں شامل ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو اسی طرح ہر سال محافل محرم منعقد کرنے' بزرگوں کا ذکر جمیل سننے سنانے اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کے دن نبیین' صدیقین' شہداء اور صالحین کے دامن کرم کے سائے میں ہم لوگوں

کا حشر فرمائے۔ آمین بحرمة النبی الکریم الامین علیه وعلیٰ اٰله افضل الصلوٰة واکمل التسلیم۔

فضائل عاشورہ

عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ بڑی عظمت و بزرگی والی اور افضل ہے۔

اس لیے کہ بہت سے اہم واقعات اس تاریخ سے متعلق ہیں۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب نزہۃ المجالس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی روز آسمان و زمین اور قلم کی تخلیق ہوئی' حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام پیدا ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی' حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی' حضرت ابراہیم علیہ السلام مرتبہ خلعت سے سرفراز ہوئے' چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام ملے' حضرت ادریس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نکلے' حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی' حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت عطا ہوئی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے' ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور اسی روز قیامت بھی قائم ہوگی۔ (نزہۃ المجالس' ص ۱۸۱' ج ۱)

ثابت ہوا کہ محرم کی دسویں تاریخ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت و فضیلت والی ہے۔ اسی لیے اس نے اپنے پیارے حبیب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے کی شہادت کے لیے بھی اس تاریخ کو منتخب فرمایا۔

عاشورہ کے اعمال

عاشورہ کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور بہت فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ

کیسا دن ہے کہ جس دن تم لوگ روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ وہ عظمت والا دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات ملی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا' ہم بھی رکھتے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں تو عاشورہ کا روزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رکھا اور اس روزہ کا حکم بھی دیا۔ (بخاری ص ۲۶۸' ج ۱' مسلم ص ۳۵۹' ج ۱)

اور حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صیام یوم عاشوراء احتسب علی اللہ ان یکفر السنة التی قبله یعنی مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ عاشورہ کے روزے کو پچھلے سال بھر کے گناہ کا کفارہ بنادے۔

(مسلم' مشکوٰۃ ص ۱۷۹)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وہ دن ہے کہ جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں سال آئندہ دنیا میں باقی رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔ (مسلم' مشکوٰۃ' ص ۱۷۹) اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ محرم کی نویں اور دسویں دونوں تاریخوں کو روزہ رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عاشورہ کے دن چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قل ہو اللہ احد پوری ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے لیے نور کا منبر بنائے گا۔ (نزہۃ المجالس' ص ۱۸۱' ج ۱)

اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو شخص عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں کشادگی کرے کا سال

بھر تک برابر کشادگی میں رہے گا۔ (ماثبت بالسنہ ص ۱۰)

ہمارے سوالات علمائے اہل سنت کے جوابات

س ۱- تعزیہ بنانا اور دیکھنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری مفتی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''تعزیہ معصیت ہے تعزیہ بنا دیکھنا جائز نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۱۶' صفحہ ۱۵۵' جلد ۲۴' صفحہ ۴۸۹)

س ۲- شرع میں تعزیے کی اصل کیا ہے؟

جواب: فرمان اعلیٰ حضرت:

تعزیہ ممنوع ہے' شرع میں کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں سخت ناجائز ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴' صفحہ ۴۹۰)

س ۳- کیا تعزیہ بنانا کفر وشرک ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تعزیہ یہ ضرور ناجائز بدعت ہے مگر شرک نہیں مزید ایک مقام پر فرمایا: تعزیہ بنانا شرک نہیں' یہ وہابیہ کا خیال ہے۔ ہاں بدعت وگناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۱' صفحہ ۲۲۱' جلد ۲۴' صفحہ ۵۰۳)

س ۴- تعظیم کرنا تعزیے کی شرعاً کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تعزیہ بنانا دیکھنا جائز نہیں اور تعظیم وعقیدت سخت حرام اور شدید بدعت ہے۔ اللہ مسلمان بھائیوں کو راہ حق کی ہدایت فرمائے۔ آمین

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴' صفحہ ۴۸۹)

س۵-تعزیے پر منت ماننا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: تعزیہ پر منت باطل ناجائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۰۱)

س۶-کیا تعزیہ کے ذریعے حاجتیں پوری ہوتی ہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعہ حاجت روا سمجھنا جہالت پر جہالت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۹)

س۷-سنا ہے کہ اگر کسی نے تعزیہ بنانے کی منت مانی تو ضرور بنانا چاہیے ورنہ نقصان ہوگا یہ بات درست ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''تعزیہ بنانا بدعت و گناہ لہٰذا نہ کرنے کو باعث نقصان خیال کرنا وہم ہے۔ مسلمان کو ایسی حرکات و خیال سے باز آنا چاہیے۔''

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۹، ۵۰۳)

س۸-اگر کوئی مسلمان تعزیہ بنائے تو کتنا گناہ ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''بدعت کا جو گناہ ہے وہ ہے۔ گناہ کی ناپ تول دنیا میں نہیں۔ واللہ اعلم''

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد صفحہ ۵۰۹، ۵۱۰)

س۹-تعزیہ بنانے والوں کو تعزیہ بنانے کے لیے چندہ دینا یا تعزیہ بنانے میں مدد کرنا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''تعزیہ میں کسی قسم کی امداد جائز نہیں۔ اللہ نے فرمایا: (قرآن مجید پارہ ۶ سورۃ المائدۃ آیت ۲ میں) وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔

گناہ اور زیادتی کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۰۶ اور ۵۰۷)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"(علم تعزیے میں جو کچھ صرف ہوتا ہے سب اسراف و حرام ہے)"

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۰۵)

س ۱۰۔تعزیے پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے کیا اس کو کھا سکتے ہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہو جاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز شرعی کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے لہٰذا نہ کھائی جائے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۱)

س ۱۱۔علم تعزیہ دیکھنے کے لیے گھروں سے نکلنا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

جو کام ناجائز ہے اسے تماشے کے طور پر دیکھنے جانا بھی گناہ ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۹)

مزید ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

علم تعزیے، مہندی، ان کی منت، گشت، چڑھاوا، ڈھول، تاشے، مرثیے، ماتم، مصنوعی کربلا کو جانا، عورتوں کا تعزیے کو نکلنا یہ سب باتیں حرام و گناہ ہیں، ناجائز و منع ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۸)

س ۱۲۔شہدائے کربلا کے روضوں کی تصویریں اور نقشے گھروں اور دکانوں میں آویزاں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کے مقدس روضوں کی تصویر نقشہ بنا کر رکھنا اور ان کو دیکھنا یہ تو جائز ہے کیونکہ یہ ایک غیر جاندار چیز کی تصویر یا نقشہ ہے لہٰذا جس طرح کعبہ بیت المقدس، نعلین شریفین وغیرہ کی تصویریں اور ان کے نقشے بنا کر رکھنے کو شریعت نے جائز ٹھہرایا ہے اسی طرح شہدائے کربلا کے روضوں کی تصویریں اور نقشے بھی یقیناً جائز ہیں لیکن ہر سال سینکڑوں ہزاروں روپے خرچ کر کے روضہ کربلا کا نقشہ بنا کر اس کو پانی میں ڈبو دینا یا زمین میں دفن کر دینا یا جنگلوں میں پھینک دینا یہ یقیناً حرام و ناجائز ہے کیونکہ یہ اپنے مال کو برباد کرنا ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ مال ضائع اور برباد کرنا حرام و ناجائز ہے۔

(جنتی زیور تخریج شدہ صفحہ ۱۵۵ اور ۱۵۶)

۲-حکیم الامت تاجدار گجرات مفسر شہیر حضرت علامہ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر حضرت امام حسین کے مزار شریف کا صحیح نقشہ تیار کر لیا جائے جس کی زیارت کی جائے اسے دفن نہ کیا جائے بلکہ محفوظ رکھا جائے تو بلاشبہ جائز ہے۔

(فتاویٰ نعیمیہ صفحہ ۱۹۵)

س ۱۳-محرم شریف میں کیے جانے والے خلافِ شرع کاموں کی نشاندہی فرمائیں۔

جواب: شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ڈھول تاشہ بجانے، تعزیوں کو ماتم کرتے ہوئے گلی گلی پھرانے، سینے کو ہاتھوں یا زنجیروں یا چھریوں سے پیٹ کر اور مار مار کر اچھلتے کودتے ہوئے ماتم کرنا، تعزیوں کے نیچے اپنے بچوں کو لٹانا، تعزیوں کی

تعظیم کے لیے تعزیوں کے سامنے سجدہ کرنا، تعزیوں کے نیچے کی دھول اٹھا اٹھا کر بطور تبرک چہروں، سروں اور سینوں پر ملنا، اپنے بچوں کو محرم کا فقیر بنا کر محرم کی نیاز کے لیے بھیک منگوانا، سوگ منانے کے لیے خاص قسم کے کالے کپڑے پہن کر ننگے سر، ننگے پاؤں گریبان کھولے ہوئے یا گریبان پھاڑ کر گلی گلی بھاگے پھرنا وغیرہ اس قسم کی لغویات اور خرافات کی رسمیں جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں ان سے توبہ کر کے خود بھی ان حرام رسموں سے بچنا چاہیے اور دوسروں کو بچانا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اسی طرح تعزیوں کا جلوس دیکھنے کے لیے عورتوں کا بے پردہ گھروں سے نکلنا اور مردوں کے مجموعوں میں جانا اور تعزیوں کو جھک جھک کر سلام کرنا یہ سب کام بھی شریعت میں منع اور گناہ ہیں۔

(جنتی زیور تخریج شدہ، صفحہ ۱۵۶ اور ۱۵۷)

س ۱۴- محرم شریف میں دس روز تک کربلا والوں کی یاد میں سوگوار رہنا یا سوگ منانا شرعاً کیسا ہے؟

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: محرم شریف میں دس روز تک سوگوار رہنا ممنوع و ناجائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴، صفحہ ۵۰۸)

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں: شریعت میں عورت کو شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن تک سوگ کا حکم ہے، اوروں کی موت کے تیسرے دن تک اجازت دی ہے۔ باقی حرام اور ہر سال سوگ کی تجدید کسی کے لیے اصلاً حلال نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۲۴، صفحہ ۴۹۵)

س ۱۵- میدان کربلا میں حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء پر جو ظلم و ستم

کیے گئے انہیں پڑھ کر یا سن کر دل غمگین ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑیں تو کیا یہ بھی منع ہے؟

جواب: جی نہیں جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ارے سنتے نہیں ہو بے شک اللہ نہ آنسوؤں سے رونے پر عذاب کرے نہ دل کے غم پر (زبان کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: ہاں اس پر عذاب یا رحم فرمائے اس کو بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب البکاء وعند المریض جلد ا صفحہ ۱۷۴)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیر میں بھی ہے جامع المضمرات سے بلند آواز سے رونا اور بین کرنا (اسلام میں) جائز نہیں لیکن بغیر آواز کے رونا اور آنسو بہانا ممنوع نہیں۔

(فتاویٰ ہندیہ کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس جلد ا صفحہ ۱۶۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: کون سا سنی ہوگا جسے واقعہ کربلا کا غم نہیں یا اس کی یاد سے دل محزون اور آنکھ پرنم نہیں۔ ہاں مصائب میں ہم کو صبر کا حکم فرمایا ہے۔ جزع و فزع کو شریعت منع فرماتی ہے اور جسے واقعی دل میں غم نہ ہوا سے جھوٹا اظہار غم (کرنا) چاہیے اور قصدا (یعنی جان بوجھ کر غم آوری اور غم پروری خلاف رضا ہے جسے اس کا غم نہ ہو اسے بے غم نہ رہنا چاہیے بلکہ غم نہ ہونے کا غم کرنا چاہیے کہ اس کی محبت ناقص ہے) اور جس کی محبت ناقص ہو اس کا ایمان ناقص ہے۔ واللہ علم

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۸۷ اور ۴۸۸)

س ۱۶- شہدائے کربلا کی یاد میں ماتم کرنا اور نوحہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ماتم کرنا، چھاتی پیٹنا حرام ہے نیز ماتم

ونوحہ محرم ہو یا غیر محرم قطعاً حرام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۲۳، صفحہ ۷۴۰ اور جلد ۲۴، صفحہ ۴۹۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: میں بیزار ہوں اس سے جو چلا کر روئے اور گریبان چاک کرے۔ (بخاری ومسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا)

رسول اللہ نے فرمایا: اللہ عز وجل جہنم میں نوحہ کرنے والوں کی دو صفیں بنائے گا۔ ایک صف جہنمیوں کے داہنی جانب اور دوسری صف جہنمیوں کے بائیں جانب وہ جہنمیوں پر اس طرح بھونکتے ہوں گے جیسے کتے بھونکتے ہیں۔

(سرور خاطر ترجمہ قرۃ العیون، صفحہ ۳۰)

س ۱۷- سنا ہے ۱۰ محرم کو گھر چولہا جلانا، روٹی پکانا، جھاڑو لگانا نہیں چاہیے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: یہ باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴، صفحہ ۴۸۸)

تو معلوم ہوا ۱۰ محرم عاشورہ کے روز گھر میں چولہا جلا کر روٹی، سالن وغیرہ پکا بھی سکتے ہیں اور دوسروں کو کھلا بھی سکتے ہیں نیز گھر کی صفائی بھی کر سکتے ہیں، جھاڑو پوچہ وغیرہ بھی لگا سکتے ہیں۔ ہمارا اسلام ۱۰ محرم کو ان کاموں سے منع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ غلط فہمیوں سے تمام مسلمانوں کو نجات عطا فرمائے۔ آمین

س ۱۸- محرم شریف کے مہینے میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ماہ محرم میں نکاح کرنا جائز ہے، نکاح کسی مہینے میں منع نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۱۱، صفحہ ۲۶۵ اور جلد ۲۳، صفحہ ۱۹۳)

محترم جناب پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محرم صفر یا سال کے کسی بھی مہینے میں نکاح کرنا منع نہیں ہے۔

(تفہیم المسائل جلد اول صفحہ ۲۴۰)

س ۱۹- سنا ہے محرم میں صرف حضرت امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا کو ہی ایصال ثواب کر سکتے ہیں اور کسی کو نہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: جی نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: محرم وغیرہ ہر وقت ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ جائز ہے اگرچہ خاص عشرہ کے دن ہو۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۹)

س ۲۰- محرم شریف میں سنی مسلمانوں کا کالے کپڑے پہننا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: مسلمانوں کو چاہیے عشرہ مبارکہ میں تین رنگوں کو پہننے سے بچے: سیاہ، سبز، سرخ۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۶)

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد خلیل خان برکاتی قادری بھی ارشاد فرماتے ہیں: ایام محرم یعنی یکم محرم سے بارہویں محرم تک سیاہ رنگ نہ پہنا جائے کیونکہ رافضیوں یعنی شیعوں کا طریقہ ہے۔

(ماخوذ از سنی بہشتی زیور حصہ پنجم صفحہ ۵-۱)

سگ عطار عرض کرتا ہے محرم شریف میں کالے کپڑے پہننا شیعوں کا طریقہ ہے اور سوگ کی علامت ہے۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ سیاہ لباس پہننے سے مسلمان بچے تاکہ کوئی دیکھ کر بدگمانی نہ کرے، شیعہ نہ سمجھے۔ ہاں عشرہ محرم کے علاوہ کالا لباس پہننے میں شرعاً کوئی حرج نہیں جیسا کہ قانون شریعت میں لکھا ہے: سیاہ کپڑے غم ظاہر کرنے کے لیے نہ ہوں تو مطلقاً

جائز ہیں۔

(قانون شریعت صفحہ ۳۲۵)

س ۲۱ - محرم میں اپنے بچوں کو امام حسین کا فقیر بنا کر گھر گھر جا کر بھیک منگوانا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: بچوں کو سبز کپڑے پہنانا اور ان کے گلوں میں ڈوریاں باندھ کر ان کو حضرت امام حسین کا فقیر بنانا ممنوع و ناجائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۰۸)

مزید فرماتے ہیں: فقیر بن کر بلا ضرورت و مجبوری بھیک مانگنا حرام ہے اور ایسوں کی دینا بھی حرام (اس لیے کہ یہ گناہ پر دوسرے کی امداد کرنا ہے)۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۴)

س ۲۲ - مسلمانوں کا محرم شریف میں پانی یا شربت کی سبیل لگانا کیسا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: پانی یا شربت کی سبیل لگانا جبکہ نیت محمود (یعنی اچھی نیت کے ساتھ) اور خالصتاً لوجہ اللہ (اللہ کی رضا کے لیے) ثواب رسانی ارواح طیبہ ائمہ اطہار (ائمہ اطہار کی پاک ارواح کو ثواب پہنچانا) مقصود ہو تو بلاشبہ بہتر و مستحب و کارِ ثواب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۲۰)

س ۲۳ - اہل تشیع کی لگائی سبیل سے سنی مسلمانوں کو پانی یا شربت وغیرہ پینا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: متواتر سنا گیا ہے کہ سنیوں کو جو شربت دیتے ہیں اس میں نجاست ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو ناپاک پانی ملاتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۲۶)

س۲۴۔ امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا کی نیاز و فاتحہ کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: فاتحہ جائز ہے، روٹی شیرینی شربت جس چیز پر ہو مگر تعزیہ پر رکھ کر یا اس کے سامنے ہونا جہالت ہے اور اس پر چڑھانے کے سبب تبرک سمجھنا حماقت ہے۔ ہاں تعزیہ سے جدا جو خالص سچی نیت سے شہدائے کرام کی نیاز ہو وہ ضرور تبرک ہے۔ وہابی خبیث کہ اسے خبیث کہتا ہے خود خبیث ہے۔

(فتاوٰی رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۴۹۸)

مزید ارشاد ہوتا ہے: حضرت امام کے نام کی نیاز کھانی چاہیے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ کھانا چاہیے۔ تعزیہ پر چڑھائے بغیر بھی حضرت امام حسین کی نیاز ہو جاتی ہے اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں، اس کے کھانے سے احتراز کرنا (یعنی بچنا) چاہیے۔

(فتاوٰی رضویہ شریف جدید جلد ۲۴ صفحہ ۵۲۴)

۲۔ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قادری فرماتے ہیں: ماہ محرم میں دس دن تک خصوصاً دسویں کو حضرت سیدنا امام حسین و دیگر شہدائے کربلا کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ کوئی شربت پر فاتحہ دلاتا ہے، کوئی مٹھائی پر، کوئی روٹی، گوشت پر، کوئی کھچڑا پکواتا ہے۔ بہت سے پانی اور شربت کی سبیل لگا لیتے ہیں۔ جاڑوں (یعنی سردیوں) میں چائے پلاتے ہیں۔ یہ سب جائز ہیں ان کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

(سنی بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۳۱۸ اور ۳۱۹)

۳۔ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی ارشاد فرماتے ہیں: محرم کے دس دنوں تک خصوصاً عاشورہ کے دن شربت پلا کر کھانا کھلا کر کھچڑا

پکا کر شہدائے کربلا کی فاتحہ دلانا اور ان کی روحوں کو ثواب پہنچانا یہ سب جائز اور ثواب کے کام ہیں اور ان سب چیزوں کا ثواب یقیناً شہدائے کربلا کی روحوں کو پہنچتا ہے اور اس فاتحہ ایصال ثواب کے مسئلہ میں حنفی شافعی مالکی حنبلی اہل سنت کے چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔

(شرح العقائد النسفیہ بحث دعاء الاحیاء للاموات صفحہ ۱۷۲)

پہلے زمانے میں فرقہ معتزلہ اور اس زمانے میں فرقہ وہابیہ اس مسئلہ میں اہل سنت کے خلاف ہیں اور فاتحہ و ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں۔ تم مسلمانان اہل سنت کو لازم ہے کہ ہرگز ان کی باتیں نہ سنو اور نہ ان لوگوں سے میل جول رکھو ورنہ تم خود بھی گمراہ ہو جاؤ گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرو گے۔"

(جنتی زیور تخریج شدہ صفحہ ۱۵۹)

س ۲۵- اہل تشیع کی مجلسوں میں جا کر سنی مسلمانوں کو بیان شہادت سننا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اہل تشیع کی مرثیہ خوانی کی مجلس میں اہل سنت و جماعت کو شرکت و شامل ہونا حرام ہے۔ وہ بد زبان' ناپاک لوگ اکثر کچھ بک جاتے ہیں اس طرح کے سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی (ان کی مجالس) روایات موضوعہ اور کلمات شنیعہ (یعنی من گھڑت باتوں' برے الفاظ) اور حرام سے خالی نہیں ہوتیں اور یہ دیکھیں' سنیں گے اور منع نہ کر سکیں گے۔ ایسی جگہ جانا حرام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۳' صفحہ ۷۴۰ اور جلد ۲۴' صفحہ ۵۲۶)

س ۲۶- شیعہ کہتے ہیں ہم محرم میں جو کچھ کرتے ہیں سب اہلِ بیت و شہدائے کربلا کی محبت میں کرتے ہیں' اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی فرماتے ہیں: سیاہ کپڑے پہننا، کپڑوں کا پھاڑنا، گریبان چاک کرنا، بال بکھیرنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ کوبی اور رانوں پر ہاتھ مارنا اور گھوڑا اور تعزیہ وغیرہ نکالنا یہ سب باتیں ناجائز حرام اور باطل ہیں اگر یہ باتیں جائز دلیل محبت اور باعث ثواب ہوتیں تو امام زین العابدین اور دیگر ائمہ اہل سنت ان کو کرتے، کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ انہوں نے ایسا کیا ہو بلکہ ان سے ان (کاموں) کی ممانعت ثابت ہے۔ (شام کربلا صفحہ ۳۰۶)

س ۲۷- کیا میدان کربلا میں حضرت قاسم کی شادی ہوئی تھی یا نہیں؟

جواب: مفتی جلال الدین احمد امجدی فرماتے ہیں: حضرت قاسم کا رشتہ امام عالی مقام کی صاحبزادی سکینہ سے طے ہو چکا تھا۔

(خطبات محرم صفحہ ۴۱۰)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: میدان کربلا میں یہ شادی ہونا ثابت نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴، صفحہ ۵۰۱)

س ۲۸- امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا کے حالات اور شہادت کے واقعات بیان کرنا کیسا؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ذکر شہادت شریف جبکہ روایات موضوعہ (یعنی من گھڑت روایات) اور کلمات ممنوعہ اور نیت نامشروعہ (غلط الفاظ اور ناجائز نیت) سے خالی ہو عین سعادت ہے۔ صالحین کے ذکر پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴، صفحہ ۵۱۷)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: جو مجلس ذکر شریف حضرت سیدنا امام اہل سنت کی ہو جس میں روایات صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل و مناقب اور مدارج بیان

کیے جائیں اور ماتم وتجدید غم وغیرہ امور ومخالفہ شرع سے یکسر (بالکل) پاک صاف نفسہ حسن ومحمود ہے خواہ وہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۴، صفحہ ۵۲۳)

۲۔ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
عشرہ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور واقعات کربلا بیان کرنا جائز ہے جبکہ روایات صحیحہ بیان کی جائیں۔ ان واقعات میں صبر وتحمل، رضا وتسلیم کا بہت مکمل درس ہے اور پابندی احکام میں تمام عزیزوں رفیقوں کی سنت کا زبردست عملی ثبوت ہے اس مجلس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی ذکر خیر ہونا چاہیے تاکہ اہل سنت اور شیعوں کی مجلس میں فرق اور امتیاز رہے۔ ان مجالس میں لوگ اظہار غم کے لیے سر کے بال بکھیرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے ہیں، سر پر خاک ڈالتے ہیں اور یہ سب ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں۔ سنی مسلمان کو ان سے بچنا نہایت لازم ہے۔ احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں پر لازم ہے کہ ان امور سے بچیں اور ایسے کام کریں جن سے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔

(سنی بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۴۴۹ اور ۴۵۰)

س ۲۹۔ شہدائے کربلا کے ایصال ثواب کے لیے جو کھچڑا پکایا جاتا ہے یہ کہاں سے ثابت ہے کیا یہ پکانا ضروری ہے؟
جواب: حضرت اعلیٰ فرماتے ہیں: کھچڑا وہاں سے ثابت ہے جہاں سے شادی کا پلاؤ، دعوت ذرہ ثابت ہوا۔ یہ تخصیات عرفیہ ہیں نہ کہ شرعیہ کہ جو اسے شرعاً ضروری جانے باطل پر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۲۴، صفحہ ۴۹۴)

۲- علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی فرماتے ہیں: عاشورہ کے دن کھچڑا پکانا فرض یا واجب نہیں لیکن اس کے حرام و ناجائز ہونے کی بھی کوئی دلیل شرعی نہیں جبکہ ایک روایت ہے کہ خاص عاشورہ کے دن ہونے کی بھی دلیل حضرت نوح علیہ السلام کی سنت ہے چنانچہ منقول ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تو عاشورہ کا دن تھا۔ آپ نے کشتی میں سے تمام اناجوں کو باہر نکالا تو فول (بڑی مٹر) گیہوں جو مسور چنا چاول پیاز سات قسم کے غلے موجود تھے آپ نے ان ساتوں کو ایک ہی ہانڈی میں ملا کر پکایا چنانچہ علامہ شہاب الدین قلیوبی نے فرمایا کہ اس امر میں اصل دلیل یہی حضرت نوح علیہ السلام کا عمل ہے۔

(جنتی زیور تخریج شدہ صفحہ ۱۶۰)

س ۳۰- سنا ہے کھچڑا کو حلیم نہیں کہنا چاہیے' کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: شیخ طریقت امیر اہلسنت عاشق اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں:

عوام الناس کھچڑا کو حلیم کہتی ہے لیکن مجھے کہنے میں مزہ نہیں آتا۔ میں اللہ کے ادب کے طور پر کھچڑا کو حلیم کہنا پسند نہیں کرتا۔ اللہ کے بے شمار نام ہیں۔ ان میں سے جو مشہور ۹۹ نام ہیں ان میں سے ایک حلیم بھی ہے تو اردو میں اس غذا کو کھچڑا ہی کہتے ہیں کہ کھچڑا نام ہوتے ہوئے اللہ کا نام ایک کا غذ کیوں استعمال کیا جائے۔

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھاتی ہے

(ماخوذ از بیان آڈیو کیسٹ فضائل محرم ۱۷/اپریل ۱۹۹۹ء)

س ۳۱- محرم شریف میں کیا جانے والا کوئی خاص عمل یا وظیفہ ہو تو وہ بھی بتا دیں۔

جواب: پارہ ۹ سورۃ الاعراف آیت: ۹۷ اور ۹۹

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ ؕ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ؕ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ؕ

کی برکت وفضیلت کے متعلق شیخ الحدیث علامہ المصطفیٰ اعظمی ارشاد فرماتے ہیں: محرم کی پہلی تاریخ کو ان تینوں آیتوں کو کاغذ پر لکھ کر اور پانی سے دھو کر جس گھر کے گوشوں میں چھڑک دیا جائے وہ سانپ' بچھو اور تمام موذی جانوروں سے سلامت رہے گا۔ انشاء اللہ عزوجل۔

(مسائل القرآن صفحہ ۲۷۲)

شیخ طریقت امیر اہل سنت عاشق اعلیٰ حضرت بانی دعوت اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ شمس المعارف مترجم صفحہ ۴۷ کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں: یکم محرم الحرام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۳۰ بار لکھ کر یا لکھوا کر جو کوئی اپنے پاس رکھے۔ انشاء اللہ عمر بھر اس کو یا اس کے گھر میں کسی کو برائی نہ پہنچے۔

اہم مسئلہ:

سونے یا چاندی یا کسی بھی دھات کی ڈبیہ میں تعویذ پہننا مرد کو جائز نہیں۔

س ۳۲- یزید کو پلید کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں (فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۴ یزید کو پلید لکھنا جائز ہے۔ مزید ایک مقام پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: یزید بے شک پلید تھا' اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۱۴' صفحہ ۶۰۳)

س ۳۳- یزید کو کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں: یزید کے بارے میں ائمہ اہل سنت کے تین قول ہیں۔

۱- امام احمد کے نزدیک کافر ہے۔اس صورت میں اس کی بخشش نہ ہوگی۔

۲- امام غزالی وغیرہ اسے مسلمان تسلیم کرتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی۔

۳- امام اعظم ابوحنیفہ اس معاملہ میں سکوت فرماتے ہیں کہ نہ ہم مسلمان کہیں نہ کافر لہٰذا ہم بھی سکوت کریں گے۔

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۱)

سوال ۳۴- سنا ہے کہ امام زین العابدین نے یزید کو مغفرت کے واسطے کسی خاص طریقے سے نماز پڑھنے کی تعلیم فرمائی کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ روایت محض بے اصل ہے حضرت نے کوئی نماز اس یزید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۸ صفحہ ۵۲)

سوال ۳۵- یزید پلید کو برا کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بے شک یزید خبیث کو برا کہنا جائز ہے۔''

(فتاویٰ فیض الرسول حصہ اول صفحہ ۱۲۶)

سوال ۳۶- یزید کی موت حالت کفر پر ہوئی یا حالت ایمان پر؟

جواب: مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''یزید کی موت حالت کفر پر ہوئی یا حالت ایمان پر اسے اللہ ورسول ہی جانتے ہیں۔ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم۔''

(فتاویٰ فیض الرسول حصہ اول صفحہ ۱۲۶)

سوال ۳۷- وہابی دیوبندی عام طور پر کہتے ہیں کہ یزید نے اگر چہ حضرت امام کو شہید کروایا مگر وہ جنتی ہے۔ اس لیے کہ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''میری امت کا پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا وہ جنتی ہوا اور قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا یزید ہے لہٰذا وہ بخشا بخشایا ہوا پیدائشی جنتی ہے تو وہابیوں دیوبندیوں کی اس بکواس کا جواب کیا ہے؟

جواب: مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''یزید پلید جس نے مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کی سخت بے حرمتی کی، جس نے ہزاروں صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا بے گناہ قتل عام کیا، جس نے مدینہ طیبہ کی پاک دامن خواتین کو تین روز اپنے لشکر پر حلال کیا اور جس نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر پیاسا ذبح کیا ایسے بدبخت اور مردود یزید کو جو لوگ بخشا بخشایا پیدائشی جنتی کہتے ہیں اور ثبوت میں بخاری کی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں وہ اہلِ بیت رسالت کے دشمن، خارجی اور یزیدی ہیں۔ ان باطل پرست یزیدیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب یزید کا جنتی ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے تو امام حسین کا ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا بغاوت ہے اور سارے فتنہ و فساد کی ذمہ داری انہیں پر ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

(فتاویٰ فیض الرسول حصہ دوم صفحہ ۱۰۷ سے ۱۱۲ تک)

سوال ۳۸- یزید پلید کے والد محترم صاحب حضرت امیر معاویہ کے بارے میں علمائے اسلام کیا فرماتے ہیں؟

جواب: مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''آپ کا نام معاویہ اور کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یہ

ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور والدہ کی طرف سے نسب یوں ہے: معاویہ بن ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور عبد مناف نبی آکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے دادا ہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت امیر معاویہ کے والد کی طرف سے پانچویں پشت میں اور والدہ کی طرف سے بھی پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں آپ کے چوتھے دادا عبد مناف سے مل جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ آپ نسب کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی اہل قرابت میں سے ہیں اور رشتے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی سالے ہیں۔ اس لیے کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں وہ حضرت امیر معاویہ کی حقیقی بہن ہیں اسی لیے عارف باللہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی شریف میں آپ کو تمام مومنوں کا ماموں تحریر فرمایا ہے۔''

(خطبات محرم صفحہ ۲۹۳ اور ۲۹۴)

سوال ۳۹- جو لوگ یزید کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ کو برا کہتے ہیں ان کے بارے میں علمائے اسلام کیا فرماتے ہیں؟

جواب: مفتی احمد یار خان فرماتے ہیں: ''کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ امیر معاویہ کی حیات میں یزید فاسق وفاجر تھا اور امیر معاویہ نے اس کو فاسق وفاجر جانتے ہوئے اپنا جانشین کیا۔ یزید کا فسق وفجور حضرت امیر معاویہ (کی وفات) کے بعد ظاہر ہوا اور اگر کوئی ایسی روایت مل جائے جس سے معلوم ہو کہ امیر معاویہ نے یزید کے فسق وفجور سے خبردار ہوتے ہوئے

اسے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تو وہ روایت جھوٹی ہے اور راوی شیعہ ہے یا کوئی دشمن صحابہ۔ جو روایت امیر معاویہ یا کسی صحابی کا فسق ثابت کرے وہ مردود ہے کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ تمام صحابہ بحکم قرآن متقی ہیں۔ بہرحال جب امیر معاویہ کا وقت وفات قریب آیا تو یزید نے پوچھا کہ ابا جان! آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا تو آپ نے فرمایا: خلیفہ تو تو ہی بنے گا اور اب میں جو کہتا ہوں اسے غور سے سن لو اور کوئی کام امام کے مشورہ کے بغیر نہ کرنا۔ انہیں کھلائے بغیر نہ کھانا' انہیں پلائے بغیر نہ پینا' سب سے پہلے ان پر خرچ کرنا پھر کسی اور پر اور ان کے گھر والوں کے ساتھ بلکہ سارے کنبے بنی ہاشم کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

اے بیٹے! خلافت میں ہمارا حق نہیں وہ امام حسین' ان کے والد اور ان کے اہلِ بیت کا حق ہے تو چند روز خلیفہ رہنا پھر امام حسین پورے کمال کو پہنچ جائیں تو پھر وہی خلیفہ ہوں گے۔ ہم سب امام حسین اور ان کے نانا کے غلام ہیں۔ انہیں ناراض نہ کرنا ورنہ تجھ پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں گے اور پھر تیری شفاعت کون کرے گا بلکہ امیر معاویہ نے دعا کی کہ مولیٰ اگر یزید اس کا اہل نہ ہو تو اس کی سلطنت کامل نہ فرما۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ یزید مردود حضرت امیر معاویہ کے بعد ۲ سال کچھ ماہ زندہ رہا اور اس کی سلطنت پایہ تکمیل کو نہ پہنچی۔

(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر صفحہ ۶۰' ۷۴ اور ۷۶)

تو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ جب تک زندہ رہے یزید بڑا نیک' پرہیز گار تھا۔ بعد وفات والد اس نے گناہوں کا بازار گرم کیا' ظلم وستم کیے لہٰذا امیر معاویہ کو ہرگز ہرگز موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا تو اب' جوان پر زبانِ طعن دراز کرے اس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں: ''وہ جہنمی کتوں میں سے ایک

کہتا ہے۔"

(فتاویٰ فیض الرسول حصہ اول صفحہ ۱۲۸)

سوال ۴۰۔ بعض سیّد صاحبان بھی کم علمی کی وجہ سے امیر معاویہ کو اچھا نہیں سمجھتے' انہیں کس طرح سمجھایا جائے؟

جواب: علماء فرماتے ہیں جو سیّد صاحبان سنی علماء کے بیانات سننے کی بجائے سنی علماء کی صحبت میں بیٹھنے کی بجائے شیعہ حضرات کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' میل جول رکھنا پسند کرتے ہیں وہ حضرت امیر معاویہ پر زبانِ اعتراض دراز کرتے ہیں۔ ایسے سیّد صاحبان تک حضرت امیر معاویہ کے بارے میں صحیح معلومات پہنچائی جائیں تو اپنے آباؤ اجداد کی طرح یہ بھی انشاء اللہ ان کی تعریف وتوصیف کریں گے۔ ایک واقعہ پیش خدمت ہے' اس سے بھی کچھ درس ملے گا۔

ایک سیّد صاحب کا بیان ہے کہ مجھے حضرت علی شیرِ خدا سے جنگ کرنے والے سے اور خصوصاً حضرت امیر معاویہ سے بہت اعتراض تھا۔ ایک رات حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی شیخ سرہندی کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ یہ عبارت پڑھی: "امام مالک نے حضرت امیر معاویہ کو برا کہنے کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کے برابر قرار دیا ہے۔"

اس عبارت سے میں آزردہ ہو گیا اور میں نے مکتوبات شریف کو زمین پہ ڈال دیا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت غصے کی حالت میں تشریف لائے اور میرے دونوں کان اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"اے بے وقوف تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور ہمارے کلام کو زمین

پر پھینکتا ہے۔ اگر تجھے ہماری بات پر یقین نہیں ہے تو چل تجھے علی کی خدمت میں لے چلتے ہیں۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مجھے ایک باغ میں لے گئے' میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ وہاں ایک عمارت میں تشریف رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بزرگ کے آگے تواضع کی۔ ان بزرگ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے میری بات ان بزرگ کو بتائی پھر مجھے فرمایا کہ یہ حضرت علی ہیں' سنو آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضرت علی نے فرمایا:

خبردار! کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اپنے دل میں بغض نہ رکھنا اور ان کی عیب جوئی نہ کرنا کیونکہ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی (صحابہ) بھی جانتے ہیں ہم لوگ اس بات کو حق سمجھ کر اعتراض کر رہے تھے۔''

پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کی بات کو ہر قیمت پر تسلیم کرنا۔

(خزینہ کراماتِ اولیاء صفحہ ۳۰۱ اور ۳۰۲)

سوال ۴۱- جو یہ کہتے ہیں کہ علی کے برابر کسی صحابی کا مرتبہ نہیں' حضرت علی سب صحابہ سے افضل ہیں' اس کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں: ''جو عقیدہ یہ رکھے تو وہ اہل سنت سے خارج اور ایک گمراہ فرقے تفضیلیہ میں داخل ہے جن کو ائمہ دین نے رافضیوں کا چھوٹا بھائی کہا ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۲۱' صفحہ ۱۵۲)

س ۴۲- جو حضرت علی شیر خدا کو کسی نبی سے افضل یا برتر کہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ کافر ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۱۱ صفحہ ۶۹۱ اور ۲۰ صفحہ ۲۴۵)

''اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل یا اس کے برابر مانے وہ کافر ہے لہٰذا حضرت علی کو نبیوں سے افضل ماننے والا کافر ہے۔''

(کتاب ایمان کی حفاظت صفحہ ۵۶ اور ۵۷)

سوال ۴۳- جو یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن مجید جس طرح نازل ہوا تھا آج ویسا نہیں اس کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں: ''جو قرآن عظیم کے ایک لفظ' ایک حرف' ایک نقطے کی نسبت گمان کرے کہ معاذ اللہ صحابہ کرام یا اہل سنت نے گھٹا دیا' بڑھا دیا' بدل دیا وہ قطعاً کافر ہے۔''

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۱۱' صفحہ ۶۹۱)

سوال ۴۴- علمائے اسلام نے عاشورہ کی کیا خصوصیات بیان فرمائی ہیں؟

جواب: شیخ طریقت امیر اہل سنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ نے ''یا شہید کربلا ہو دور ہر رنج وبلا'' کے پچیس حروف کی نسبت سے عاشورہ کی ۲۵ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

۱- دسویں محرم الحرام عاشورہ کے روز حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

۲- اسی دن انہیں پیدا کیا گیا۔

۳- اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔

۴- اسی دن عرش

۵-کرسی

۶-آسمان

۷-زمین

۸-سورج

۹-چاند

۱۰-ستارے

۱۱-جنت پیدا کی گئی

۱۲-اسی دن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

۱۳-اسی دن انہیں آگ سے نجات ملی۔

۱۴-اسی دن حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی امت کو نجات ملی اور فرعون اپنی قوم سمیت غرق ہوا۔

۱۵-حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے۔

۱۶-اسی دن انہیں آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا۔

۱۷-اسی دن حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری۔

۱۸-اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا کیا گیا۔

۱۹-اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا ضعف دور ہوا۔

۲۰-اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام گہرے کنویں میں سے نکالے گئے۔

۲۱-اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور کی گئی۔

۲۲-اسی دن آسمان سے زمین پر سب سے پہلے بارش نازل ہوئی۔

۲۳-اسی دن کا روزہ امتوں میں مشہور تھا یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا

۲۴-اسی دن کا روزہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے فرض تھا۔ پھر منسوخ کر

دیا گیا۔

(مکاشفۃ القلوب صفحہ ۳۱۱)

۲۵- امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بمع شہزادگان و رفقاء تین دن بھوکا رکھنے کے بعد اسی عاشورہ کے روز دشت کربلا میں انتہائی سفاکی کے ساتھ شہید کیا گیا۔

(فیضان رمضان صفحہ ۵۰۹ اور ۵۱۰)

سوال ۴۵- محرم الحرام شریف اور عاشورہ کے روزوں کے فضائل کیا ہیں؟

جواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان کے بعد محرم کا روزہ افضل ہے اور فرض کے بعد افضل نماز الصلوٰۃ الیل (یعنی رات کے نوافل) ہیں۔

(صحیح مسلم صفحہ ۸۹۱ حدیث ۱۱۵۸۰)

سوال ۴۶- عاشورہ کے روز مزید کیا کیا کرنا چاہیے؟

جواب: مفسر، حکیم الامت مولانا مفتی احمد خان نعیمی فرماتے ہیں:

۱- بال بچوں کے لیے دسویں محرم کو خوب اچھے کھانے پکائیں تو انشاء اللہ سال بھر تک گھر میں برکت رہے گی۔

۲- ۱۰ محرم کو غسل کرے تو تمام سال انشاء اللہ عزوجل بیماریوں سے امن میں رہے گا کیونکہ اس دن آب زم زم تمام پانیوں میں پہنچتا ہے۔

(تفسیر روح البیان جلد ۴ صفحہ ۱۴۲ [illegible] ۹۳)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص یوم عاشورہ اثمد سرمہ آنکھوں میں لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔"

(شعب الایمان ج ۳ صفحہ ۳۶۷ حدیث ۳۷۹۷) (فیضان رمضان تخریج شدہ صفحہ ۵۱۵ اور ۵۱۶)

س ۴۷- عاشورہ کی رات نفل نماز پڑھنے کی فضیلت اور طریقہ کیا ہے؟

جواب: عاشورہ کی رات چار نفل اس ترکیب سے پڑھے کہ ہر ہر رکعت میں الحمدللہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار' سورۃ اخلاص تین تین بار پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر ایک سو مرتبہ قل ہو اللہ کی سورۃ پڑھے۔ گناہوں سے پاک ہو گا اور بہشت میں بے انتہا نعمتیں ملیں گی۔

(جنتی زیور تخریج شدہ صفحہ ۱۵۷)

س ۴۸- عاشورہ کے روز صدقہ و خیرات کرنے کا ثواب کیا ہے؟

جواب: سیدنا امام غزالی فرماتے ہیں: ''طبرانی کی ایک منکر روایت میں ہے کہ اس دن ایک درہم کا صدقہ کرنا سات لاکھ درہم کے صدقہ سے افضل ہے۔''

(مکاشفۃ القلوب صفحہ ۶۹۹)

س ۴۹- ۱۰ محرم کو دعائے عاشورہ پڑھنے کی فضیلت کیا ہے نیز دعائے عاشورہ اور اس کو پڑھنے کا طریقہ بھی بتائیں۔

جواب: ۱- شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''دسویں محرم کو دعائے عاشورہ پڑھنے سے عمر میں خیر و برکت اور زندگی میں فلاح و نعمت حاصل ہوتی ہے۔''

(جنتی زیور تخریج شدہ صفحہ ۱۵۹)

۲- قاری رضا المصطفیٰ دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں ایک سال تک زندگی کا بیمہ۔ (دعائے عاشورہ)

یہ دعا بہت مجرب ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص عاشورہ محرم کو طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک اس دعا کو پڑھ لے یا کسی سے پڑھوا کر سن لے تو انشاء اللہ تعالیٰ یقیناً سال بھر تک اس کی زندگی کا بیمہ ہو جائے گا' ہرگز موت نہ آئے گی اور اگر موت آنی ہے تو

عجیب اتفاق ہے کہ پڑھنے کی توفیق نہ ہوگی۔

(مجموعہ وظائف صفحہ ۱۰۶ اور ۱۰۷)

دعائے عاشورہ

يا قابل توبة اٰدم يوم عاشورآء

يا فارج كرب ذى النون يوم عاشوراء

يا جامع تحل يعقوب يوم عاشورآء

يا سامع دعوة موسٰى وهٰرون يوم عاشورآء

يا مغيث ابراهيم من النار يوم عاشورآء

يا رافع ادريس الى السمآء يوم عاشورآء

يا مجيب دعوة صالح في الناقة يوم عاشورآء

يا ناصر سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم يوم عاشورآء

يارحمٰن الدنيا والاخرة ورحيمهما صل علٰى سيدنا محمد وعلٰى اٰل سيدنا محمد وصل علٰى جميع الانبيآء والمرسلين واقض حاجاتنا في الدنيا والاخرة واطل عمرنا في طاعتك ومحبتك ورضاك .

واحينا حيٰوة طيبة وتوفنا على الايمان والاسلام برحمتك يا ارحم الراحمين ط اللّٰهم بعز الحسن واخيه وامه وابيه وجده وبنيه فرج عنا ما نحن فيه ط

پھر سات بار پڑھے سبحان الله ملء الميزان ومنتهى العلم ومبلغ الرضٰى وزنة العرش لا ملجاء ولا منجاء من الله الا اليه ط سبحان الله عدد الشفع والوتر وعدد كلمات الله التامات كلها نسئلك السلامة برحمتك يا ارحم الراحمين ط وهو

حسبنا ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر ط ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحٰبہ وعلی المؤمنین والمومنات والمسلمین والمسلمات عدد ذرات الوجود وعدد معلومات اللہ والحمدللہ رب العلمین. ط

س ۵۰- اہل تشیع کے بارے میں علمائے اسلام کیا فرماتے ہیں؟

جواب: ۱- اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری مفتی امام رضا خان فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:
شیعہ حضرات قرآن مجید کو ناقص و نامکمل کہتے ہیں اور حضرت علی اور باقی ائمہ اطہار کو تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں (یہ دونوں عقیدے کفر ہیں) لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان پلید اور غلیظ لوگوں کے کفر میں شک کرے اور یہ قطعاً یقیناً بالاجماع کافر و مرتد ہیں۔ ان سے نکاح، محض باطل اور اولاد اولادِ زنا۔

(ماخوذ فتاویٰ رضویہ شریف ۲۶، صفحہ ۷۸ تا ۸۱)

فقیہہ ملت حضرت علامہ مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: شیعہ کافر و مرتد ہیں۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔ ان کے ساتھ مناکحت یعنی نکاح نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے۔ ان کے مرد و عورت عالم و جاہل کسی سے میل جول سلام وکلام سخت کبیرہ اشد حرام ہیں۔

(ماخوذ از فتاویٰ فیض الرسول حصہ دوم صفحہ ۶۱۳ حصہ اول صفحہ ۶۰۴)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین رضوی ارشاد فرماتے ہیں: شیعہ حضرات ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ پر اب بھی تہمتیں

لگاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ معاذ اللہ انہیں خائن (یعنی خیانت کرنے والا) اور غاصب (یعنی غصب کرنے والا) کہتے ہیں۔ اس لیے ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے اپنا کلمہ علیحدہ کر لیا اور اذان میں بھی تبدیلی کر لی ہے۔ کسی مسلمان کا نکاح کسی شیعہ سے نہیں ہو سکتا۔ شیعہ مذہب میں تقیہ فرض ہے اور تقیہ کا معنی جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا ہے۔ اس لیے شیعوں کی کوئی بات قابل قبول نہیں۔ مسلمانوں کو ان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔

(ماخوذ وقار الفتاوی جلد سوم، صفحہ ۳۰ تا ۳۲)

نوٹ: شیعہ فرقے کے عقائد کی تفصیلی معلومات بحوالہ جاننے کے لیے شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ قمر الدین سیالوی کی کتاب (مذہب شیعہ) یا علامہ محمد علی کی (عقائد جعفریہ) یا علامہ محمد عمر اچھروی کی (مقیاس الخلافۃ) اور علامہ محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم العالیہ کی (تحفۂ حسینیہ) کا مطالعہ کیجئے۔
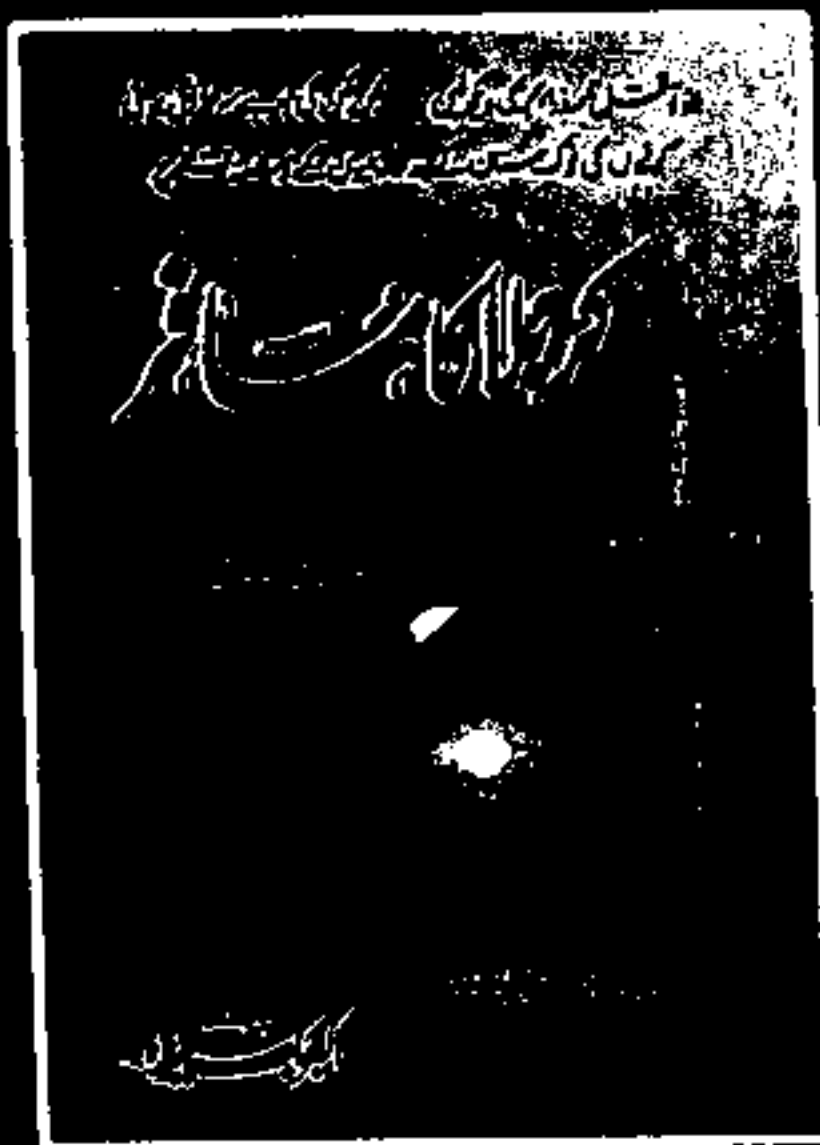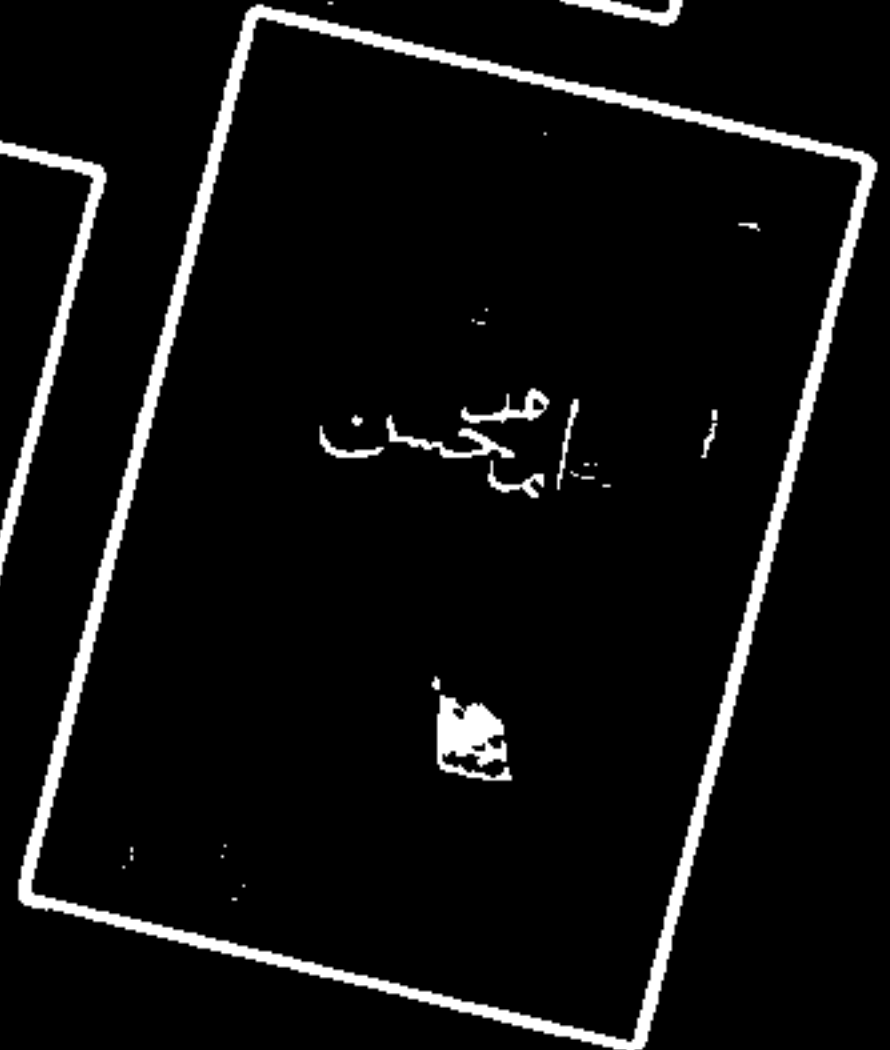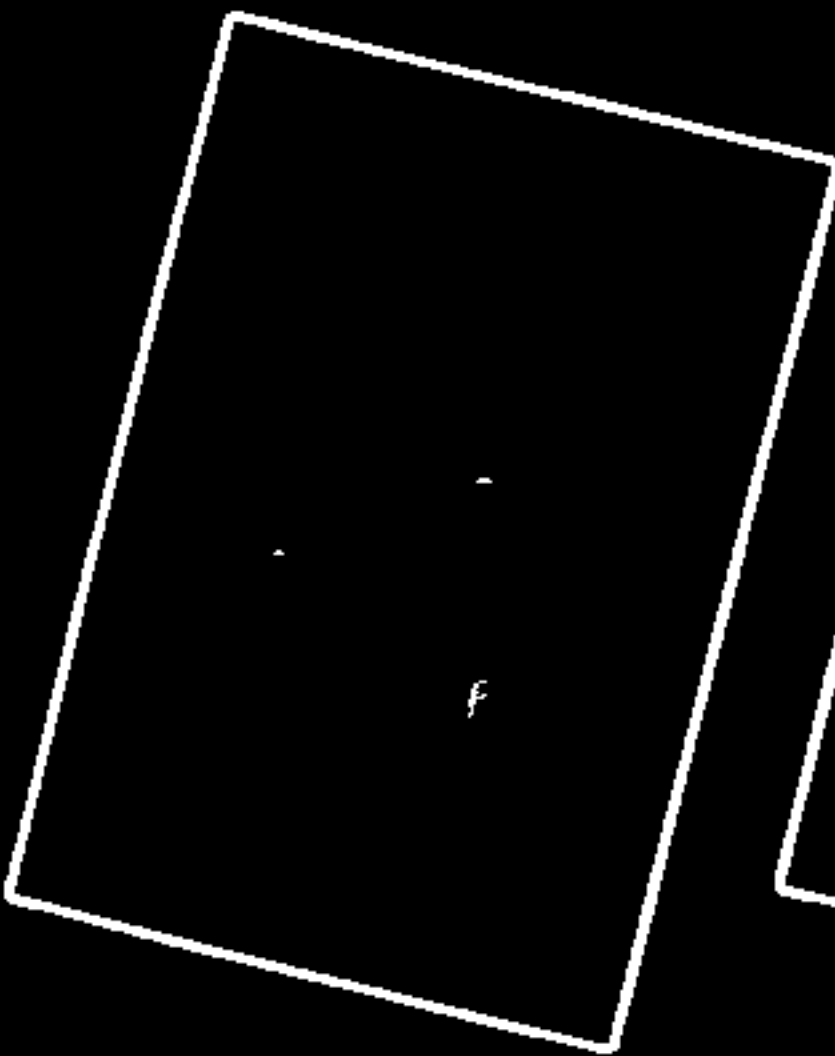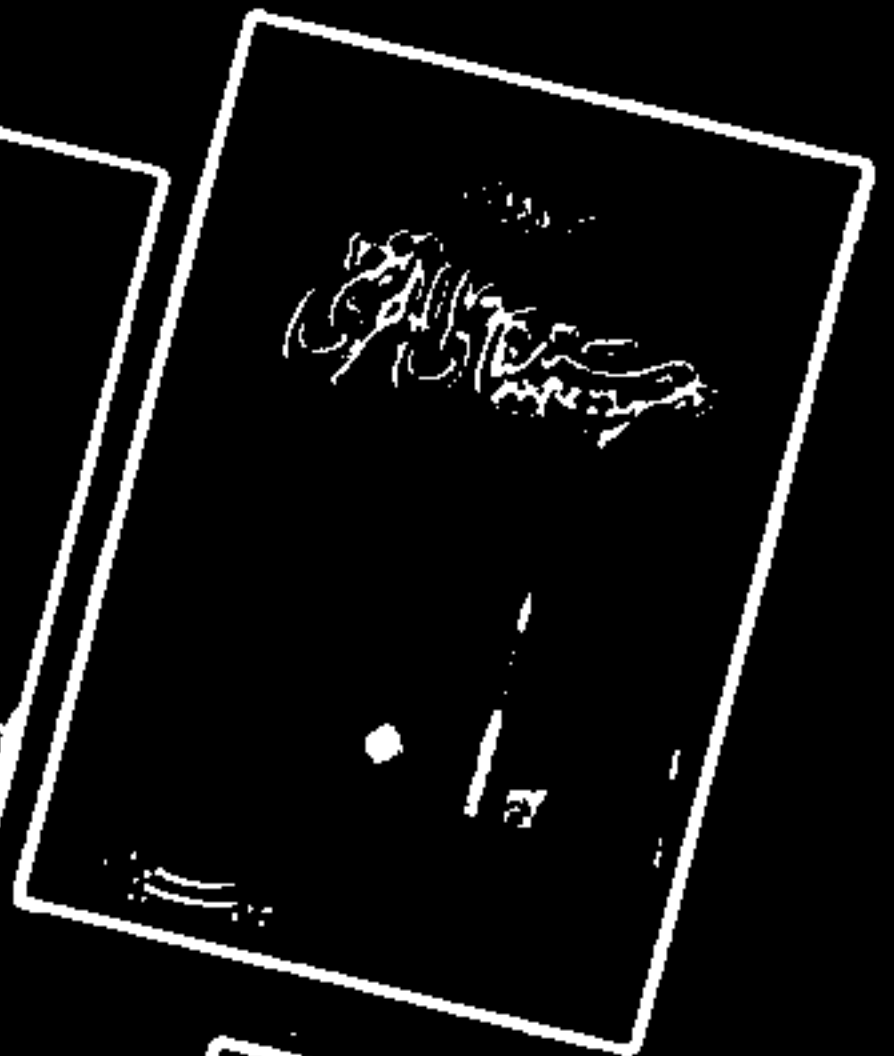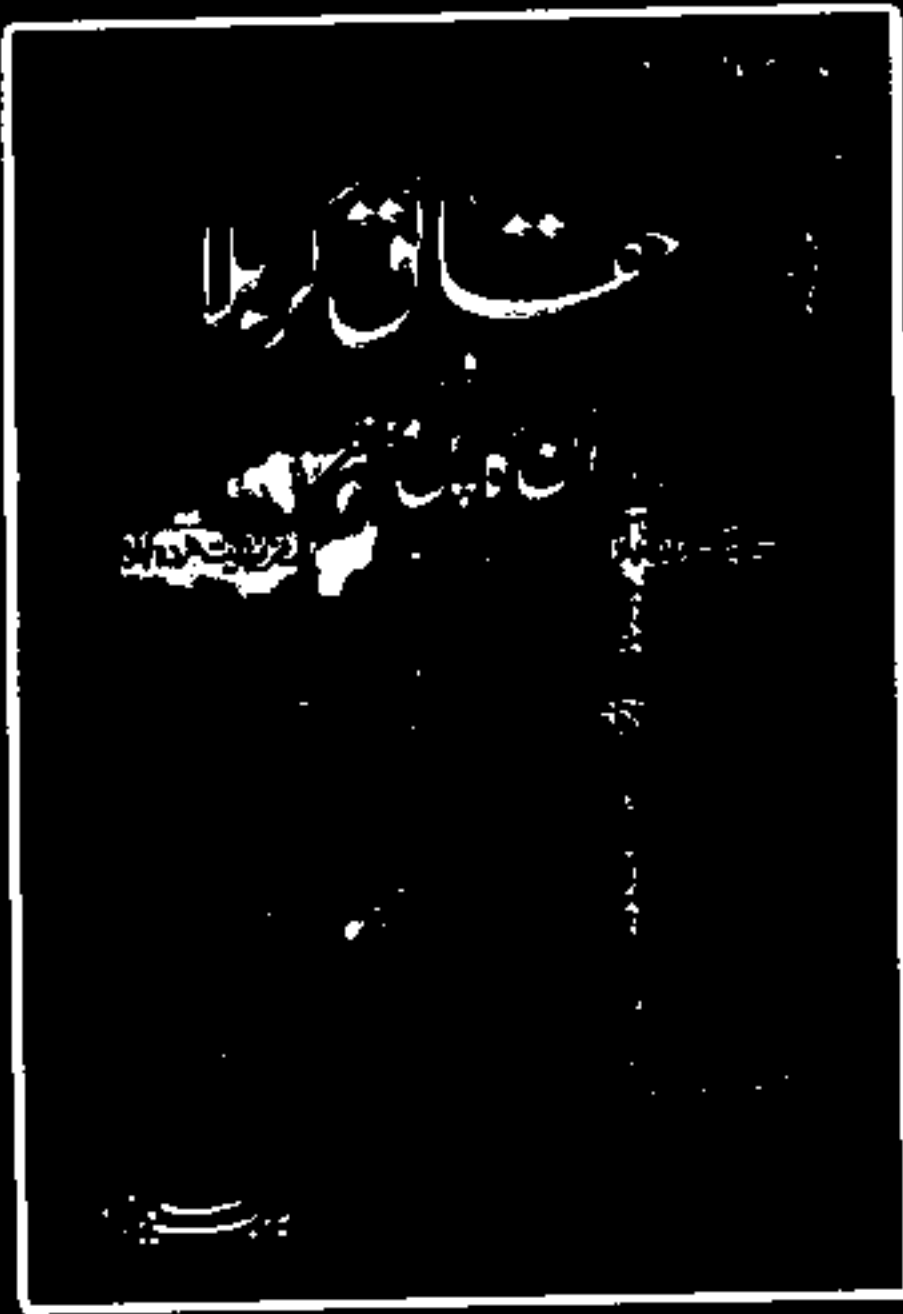
ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 042-37352022